چہل حدیث قدسی

(حصہ اول)

مؤلف

مفتی عتیق الرحمٰن (شہید)

پیشکش: ابوزبیر

[www_alkalam_pk@yahoo.com]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

”پیش لفظ“

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی اشرف الانبیاء والمرسلین وعلی جمیع ملائکۃ المقربین وعلی عباداللّٰہ الصالحین ۔ امابعد

حدیث شریف کی نشرواشاعت اور تعلیم وتعلم میں مشغولیت ایک بہت بڑا اعزاز ہے اور خوش قسمت ہیں وہ انسان جن کے شب وروز حدیثِ نبوی کے پڑھنے پڑھانے اور تشریح وتوضیح میں گزرتے ہیں۔

اھل الحدیث ھمو اھل النبی　　ان لم یصحبوہ ، انفاسہ صحبوا

(محدثین کرام وہ خوش نصیب لوگ ہیں کہ انہیں اگرچہ آپ ﷺ کی صحبت تو حاصل نہیں ہوئی، مگر آپ کے ارشادات کی صحبت ضرور حاصل ہے)۔

حدیث شریف میں آتا ہے: ”نضراللّٰہ امرءً سمع مناشیئا فبلغہ کماسمعہ فرب مبلغ اوعیٰ من سامع“ ۔(اللہ تعالیٰ اس شخص کو پررونق اور تروتازہ رکھے جس نے ہم سے کچھ سنا اور جیسے سنا تھا ویسے ہی آگے پہنچادیا کیونکہ بسااوقات براہِ راست سننے والے سے بالواسطہ سننے والا زیادہ سمجھدار اور محفوظ کرنے والا ہوتا ہے)۔

یہ نبی کریم ﷺ کی ایسی دعا ہے کہ اس سے ہر مسلمان ہر دور میں فیضیاب ہوسکتا ہے اور اسی سعادت کے حصول کی نیت سے یہ چند سطور قلمبند کی گئی ہیں۔

حدیث شریف کے آداب میں سے ایک ادب یہ ہے کہ مطالعۂ حدیث کا منشاء محض علمی سیر یا وقت گزاری نہیں ہونا چاہئے بلکہ ایمان کی تازگی، محبتِ رسول میں ترقی، حصول ہدایت اور عمل کرنے کی نیت سے مطالعہ کرنا چاہئے۔اور حدیث کی کتاب پڑھتے وقت رسول اللہ ﷺ کی عظمت ومحبت کے جذبات سے دل سرشار ہونا چاہئے اور ایسے ادب اور توجہ سے پڑھا جائے

یا سنا جائے کہ گویا حضور ﷺ کی مجلس اقدس میں حاضر ہیں اور آپ ﷺ فرما رہے ہیں اور ہم سن رہے ہیں۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ جب اپنی تالیف کردہ حدیث کی کتاب ''مؤطا مالک'' کا سبق پڑھانے بیٹھتے تو پہلے غسل کرتے، پھر نیا لباس زیب تن کرتے، خوشبو لگاتے اور انتہائی انہماک اور توجہ سے درس حدیث میں مشغول ہو جاتے۔ ایک مرتبہ سبق سے فارغ ہو کر ایک شاگرد سے فرمایا: ''بیٹا! ذرا دیکھو میری کمر پر کوئی چیز ڈس رہی ہے''۔ شاگرد نے کمر سے کپڑا ہٹا کر دیکھا تو ''کالا بچھو'' آپ کی کمر پر چمٹا ہوا ڈس رہا تھا اور سترہ (۱۷) جگہ سے اس کے ڈنک مارنے کی وجہ سے خون رس رہا تھا۔ بچھو کو مارا گیا اور عرض کیا گیا کہ حضرت! اس نے تو آپ کی کمر چھلنی کر کے رکھ دی آپ نے پہلے کیوں نہیں بتایا۔ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ''آپ لوگوں کو حدیث سے ہٹا کر اپنے کام کی طرف متوجہ کرنے میں مجھے کلام نبوی کی بے ادبی محسوس ہوئی، اس لئے میں ایسا نہیں کیا''۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنے نبی ﷺ کے کلام کا ادب و احترام نصیب فرمائے (آمین)۔

یہ چالیس احادیث قدسی کا نہایت مبارک مجموعہ ہے جسے اردو ترجمہ اور مختصر تشریح کے ساتھ شائع کیا جا رہا ہے۔ حدیث قدسی احادیث طیبہ کی مختلف اقسام میں سے ایک قسم ہے، شروع میں حدیث قدسی کے متعلق ایک بصیرت افروز مقالہ کا اضافہ ہے، یہ دکتور عزالدین المصری اور دکتور عبدالودود (نومسلم) کی مشترکہ کاوش ہے، اسے اردو میں منتقل کر کے حدیث قدسی کے تعارف کے طور پر ابتداء میں شامل کر دیا گیا ہے۔

یہ چہل حدیث چونکہ لمبی ہے اور اس کا زبانی یاد کرنا دشوار ہے اس لئے آخر میں ایک مختصر اور جامع چہل حدیث کا اضافہ کیا جا رہا ہے، جو کہ احادیث قدسیہ میں سے نہیں ہے، مگر اس لئے ذکر کر رہے ہیں کہ جو احباب چہل حدیث یاد کرنے کی فضیلت حاصل کرنا چاہتے ہیں، وہ اس

فضیلت وسعادت سے محروم نہ رہیں، بلکہ ہر مسلمان کو چاہئے کہ اس انتہائی مختصر چہل حدیث کو حفظ کرے اوراس کے مطابق عمل کر کے اپنے لئے ذخیرۂ آخرت بنائے۔

فقط والسلام،

عتیق الرحمٰن

جامعۃ الحرمین الاسلامیۃ اتحاد ٹاؤن کراچی

فہرست

عنوان		صفحہ نمبر
☆ مقدمہ کتاب	------------------------------	٦
☆ حدیث قدسی نمبر١	------------------------------	١٥
☆ حدیث قدسی نمبر٢	------------------------------	١٧
☆ حدیث قدسی نمبر٣	------------------------------	٢٠
☆ حدیث قدسی نمبر٤	------------------------------	٢٣
☆ حدیث قدسی نمبر٥	------------------------------	٢٤
☆ حدیث قدسی نمبر٦	------------------------------	٢٦
☆ حدیث قدسی نمبر٧	------------------------------	٢٩
☆ حدیث قدسی نمبر٨	------------------------------	٣١
☆ حدیث قدسی نمبر٩	------------------------------	٣٤
☆ حدیث قدسی نمبر١٠	------------------------------	٣٦
☆ حدیث قدسی نمبر١١	------------------------------	٣٩
☆ حدیث قدسی نمبر١٢	------------------------------	٤٠
☆ حدیث قدسی نمبر١٣	------------------------------	٤٢
☆ حدیث قدسی نمبر١٤	------------------------------	٤٦
☆ حدیث قدسی نمبر١٥	------------------------------	٤٩
☆ حدیث قدسی نمبر١٦	------------------------------	٥٢
☆ حدیث قدسی نمبر١٧	------------------------------	٥٤
☆ حدیث قدسی نمبر١٨	------------------------------	٥٨
☆ حدیث قدسی نمبر١٩	------------------------------	٦٠
☆ حدیث قدسی نمبر٢٠	------------------------------	٦١

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

''مقدمہ''

حدیث قدسی احادیث طیبہ کی ایک خاص قسم ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح روایت کی جاتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے براہ راست اللہ رب العزت کی طرف منسوب کر کے بیان فرماتے ہیں ۔اور یہ نسبت الٰہیہ ان احادیث طیبہ میں ایک خاص قسم کا تقدس پیدا کردیتی ہے جس کی وجہ سے یہ احادیث ''احادیث قدسیہ'' کہلاتی ہیں ۔انہیں احادیث الٰہیہ یا احادیث ربانیہ بھی کہا جاتا ہے۔

حدیث قدسی کی متقدمین ومتأخرین علماء نے اپنے اپنے دور میں مختلف تعریفات بیان فرمائی ہیں ۔متقدمین علماء میں سید علی جرجانی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۸۱۶ھ) نے اپنی مشہور زمانہ تصنیف ''کتاب التعریفات'' میں حدیث قدسی کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے:

''حدیث قدسی معنی کے لحاظ سے اللہ رب العزت کی طرف سے اور الفاظ کے لحاظ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہوتی ہے ۔پس یہ وہ کلام ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنے نبی علیہ السلام کو الہام یا خواب کے ذریعے بتائیں ۔پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے الفاظ میں اسے بیان فرمائیں ۔قرآن کریم کی فضیلت اس کے مقابلے میں اپنی جگہ پر مسلم ہے۔اس لئے کہ اس کے الفاظ بھی اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ ہوتے ہیں۔''

(کتاب التعریفات صفحہ ۸۳۔۸۴)

علماء متأخرین میں سے احناف کے مایہ ناز محدث اور فقیہ ملا علی القاری رحمہ اللہ اپنی تالیف ''الاحادیث القدسیة الاربعینیة'' کے مقدمہ میں فرماتے ہیں:

''حدیث قدسی وہ ہے جسے صدر الروایات وبدر الثقات صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے روایت کریں ۔کبھی جبرائیل علیہ السلام کے واسطہ سے اور کبھی وحی ،الہام یا خواب کے ذریعہ۔اس کی تعبیر آپ ﷺ کی مرضی پر منحصر ہوتی تھی ،جن الفاظ سے چاہیں تعبیر فرمادیں ۔وہ قرآن

مجیداور فرقان حمید سے متغیر ہوتی ہے۔قرآن کریم روح الامین کے واسطہ کے بغیر نازل نہیں ہوتا اور نہ ہی متعین الفاظ کے ساتھ نقل کیا جاتا ہے جو لوح محفوظ سے نازل کئے گئے اور ہر طبقہ اور زمانہ میں متواتر منقول ہوتا ہے"۔

چنانچہ اس سے علماء کرام نے بہت سے فرعی احکام **مستنبط** کئے ہیں کہ "احادیث قدسیہ کی قرأت سے نماز صحیح نہیں ہوتی۔جنبی حائض اور نفساء کے لئے احادیث قدسیہ کا چھونا حرام نہیں ہے۔ان کا منکر کافر بھی نہیں ہے اور نہ ہی ان سے اعجاز متعلق ہے۔"(**الاحادیث القدسیه الاربعینیه** صفحہ۲)

علاوہ ازیں حسین بن محمد الطیبی (م۔۷۴۳ھ) شارح مشکوۃ۔ محمد بن یوسف الکرمانی (م۔۷۸٦ھ) شارح البخاری۔ابن حجر الھیثمی (م۔۹۷۴ھ)۔ شارح الاربعین النوویہ اور محمد بن علان الصدیقی الشافعی (م۔۱۰۵۷ھ)۔شارح ریاض الصالحین وغیرہ نے بھی احادیث قدسیہ کے بارے میں اس سے ملتی جلتی آراء کا اظہار کیا ہے جس کی تفصیل مندرجہ ذیل کتب میں دیکھی جاسکتی ہے:

۱۔ **الاحادیث القدسیة (المجلس الاعلیٰ للشئون الاسلامیة)** صفحہ۵،٦،۷ج۱

۲۔ **دلیل الفالحین (محمد بن علان الصدیقی الشافعی)** صفحہ۴۷۔۲۰۱ج۱

۳۔ **الاحادیث القدسیة ومنزلتها فی التشریح** صفحہ۲۸(**الدکتور شعبان محمد اسماعیل**)

متقدمین ومتأخرین علماء کی آراء اور وضاحتوں کے پیش نظر حدیث قدسی کے معنی کی وضاحت کے لئے مندرجہ ذیل چار امور پیش نظر رہنے چاہئیں:

۱۔حدیث قدسی اور عام حدیث نبوی میں فرق: عام حدیث نبوی کی سند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو جاتی ہے جبکہ حدیث قدسی کی سند اللہ جل شانہ تک پہنچتی ہے اور عموماً متکلم کی

ضمیر استعمال ہوتی ہے۔جیسے تحریم ظلم کی حدیث:

یاعبادی انی حرمت الظلم علی نفسی و جعلته بینکم محرما فلا تظالموا۔

لیکن اس سے عام حدیث نبوی کے منجانب اللہ ہونے کی نفی لازم نہیں آتی ۔اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر کلام اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوتا ہے۔قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: **ومایںطق عن الھویٰ o ان ھو الا وحی یوحیٰ o** ''وہ (نبی) اپنی خواہش سے نہیں بولتے بلکہ وہ جو کچھ بھی کہتے ہیں اللہ کی طرف سے وحی کیا ہوا ہوتا ہے۔''

۲۔حدیث قدسی اور قرآن کریم کے درمیان فرق:

قرآن کریم ہر دور میں تواتر قطعی کے ساتھ منقول ہوتا چلا آیا ہے جبکہ احادیث قدسیہ روایت آحاد کے ساتھ منقول ومروی ہوتی ہیں ۔احادیث قدسیہ پر روایت حدیث کے تمام قواعد وضوابط کا اجراء ہوتا ہے اور انہیں صحیح ،حسن،ضعیف بلکہ موضوع تک قرار دیا جاسکتا ہے جبکہ قرآن کریم پر یہ اصطلاحات چسپاں نہیں کی جاسکتیں۔قرآن کریم کو آیتوں اور سورتوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔اس کی روایت بالمعنیٰ جائز نہیں ہے۔اس کے ہر حرف پر دس نیکیاں ملتی ہیں ۔اس کے حافظ کو جنت میں آیات قرآنیہ کے برابر درجات ملیں گے۔حافظ قرآن کے والد کو سورج سے زیادہ روشن اور چمکدار تاج پہنایا جائے گا۔اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں کسی بھی قسم کے تغیر وتبدل سے حفاظت کی ذمہ داری لی ہے۔قرأت قرآن کریم کے بغیر نماز ادا نہیں ہوسکتی جبکہ احادیث قدسیہ کے لئے ان میں سے کوئی بات بھی ثابت نہیں ہے۔

۳۔احادیث قدسیہ کے الفاظ ومعانی کے بارے میں علماء کرام کی دو آرائے ہیں:

(الف) الفاظ ومعانی دونوں اللہ رب العزت کی طرف سے ہیں کیونکہ ان کے الفاظ اللہ رب العزت کی طرف منسوب کرکے نقل کئے جاتے ہیں ۔ان کے نام میں ''قدسیہ''،''الٰہیہ'' یا ''ربانیہ'' کا اضافہ اور متکلم کا صیغہ بھی اسی کی طرف مشیر ہے۔

(ب) معنیٰ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں مگر الفاظ اور تعبیر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔اسی وجہ سے احادیث قدسیہ کے الفاظ سے اعجاز متعلق نہیں ہیں اوران کی روایت میں بھی اختلاف کی گنجائش ہے۔اس میں روایت بالمعنٰی بھی جائز ہے۔

خلاصہ کی بات یہ ہے کہ حدیث قدسی کے الفاظ کو تواتر کا مقام حاصل نہیں ہے اور نہ ہی اس کے الفاظ میں اعجاز ہے اور نہ ہی اس کے تغیر وتبدل سے حفاظت کی ربانی ذمہ داری ہے۔لہٰذا اس کے الفاظ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی یا الہام یا خواب کے ذریعہ تسلیم کر لئے جائیں تب بھی ''الفاظ قرآنیہ'' کا امتیاز اپنی جگہ برقرار رہتا ہے۔

۴۔حدیث قدسی کی روایت کی دوصورتیں علماء کرام نے بیان فرمائی ہیں:

(الف) پہلی صورت جسے افضل ترین صورت قرار دیا گیا ہے اور وہ یہ کہ حدیث قدسی کا راوی اسے ان الفاظ سے نقل کرے: یقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیما یرویہ عن ربہ عزوجل (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں)۔

(ب) دوسری صورت یہ ہے کہ راوی یوں کہے: قال اللہ تعالیٰ فیما رواہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے روایت کیا)۔

لیکن ذخیرۂ حدیث میں غور کیا جائے تو ان دوصورتوں کے علاوہ کچھ مزید صورتیں بھی ملتی ہیں:

(الف) حدیث قدسی کے شروع میں یہ الفاظ ہوں: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اللہ تعالیٰ (رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا) پھر اس کے بعد حدیث مذکور ہو اور یہ تعبیر آپ کو اکثر احادیث قدسیہ کی روایت میں ملے گی۔

(ب) حدیث شریف میں اللہ تعالیٰ کا کلام ''قول'' کے علاوہ کسی دوسرے لفظ سے تعبیر کر کے ذکر کیا جائے۔جیسا کہ مسلم شریف کی حدیث میں ہے " لما قضی اللہ الخلق کتب فی کتابہ علی نفسہ فھو موضوع عندہ: ان رحمتی تغلب غضبی "۔عبارت کا متکلم

کے صیغہ سے مذکور ہونا قطعی دلیل ہے اللہ تعالیٰ کا کلام ہونے کی۔

(ج) حدیث اول سے آخر تک قدسی نہ ہو بلکہ اس کا کوئی جزء اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہو رہا ہو۔ جیسا کہ نسائی کی روایت میں ہے: یعجب ربک من راعی غنم فی راس شظیة الجبل یؤذن بالصلوۃ ویصلی فیقول اللہ عزوجل :انظرو الی عبدی ھذا ...... الحدیث

(د) حدیث قدسی کا ٹکڑا پوری حدیث کے ضمن میں مذکور ہو لیکن صراحۃً اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب نہ ہو بلکہ سیاق وسباق سے اس کی نسبت سمجھ میں آتی ہو۔ جیسا کہ مسلم شریف کی حدیث میں ہے: ”قال صلی اللہ علیہ وسلم تفتح ابواب الجنة یوم الاثنین ویوم الخمیس فیغفر لکل عبد لایشرک باللہ شیئا الا رجلا کانت بینه وبین اخیه شحناء فیقال :انظروا ھذین حتی یصطلحا “۔اس حدیث شریف میں ”یقال “ کے مجہول صیغہ کے باوجود سیاق کلام اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے اور اس کی تائید ”فیغفر “ کے مجہول صیغہ سے بھی ہوتی ہے کیونکہ مغفرت اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا نہیں کرسکتا۔

مذکورہ بالا تمام صورتیں اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کے موجود ہونے کی بناء پر ”وصف قدسیہ“ کے ساتھ متصف ہوں گی۔

احادیث قدسیہ کے مصادر اور کتب

جب عمومی طور پر احادیث نبویہ کی جمع وتدوین اور تحقیق وتبویب کا کام شروع ہوا تو احادیث قدسیہ کو بھی اس میں سے وافر حصہ ملا اور محدثین کرام نے خصوصی توجہ اور اہتمام سے ذخیرہ حدیث کی مستند ومعتمد کتب میں احادیث قدسیہ کو بھی شامل فرمایا۔ تدوین حدیث کے ابتدائی دور میں احادیث قدسیہ کے لئے اگرچہ مستقل کتب تصنیف نہیں کی گئیں اور عام کتب احادیث میں

انہیں کوئی امتیازی مقام بھی نہیں دیا گیا تاہم مضامین وابواب کی مناسبت سے انہیں کتب حدیث میں شامل کیا گیا ہے اوران کا امتیازان کی روایت کے وہ مخصوص صیغے ہی ہوا کرتے تھے جن کا ہم اس سے پہلی بحث میں تذکرہ کر چکے ہیں۔لہٰذا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کے احادیث قدسیہ کے لئے عام کتب حدیث ہی مصادر ومراجع کا درجہ رکھتی ہیں ۔البتہ بعد کے ادوار میں اس موضوع پر مستقل تصنیفات مرتب کی گئی ہیں جن کا تذکرہ ہم ذیل میں کررہے ہیں:

۱۔ **مشکوۃ الا نوار فیما روی عن اللہ سبحانہ من الاخبار** مؤلف:شیخ محی الدین بن العربی (المتوفی ۔۶۳۸ھ)۔

یہ کتاب ایک سواحادیث قدسیہ پر مشتمل ہے اور ۱۳۴۶ھ بمطابق ۱۹۲۷ء میں حلب سے شائع ہوئی۔معلوم ہوتا ہے کہ ابن حجر الھیثمی نے اپنی کتاب میں اسی کی طرف اشارہ کیا ہے:

> ’’احادیث قدسیہ سو (۱۰۰) سے زائد ہیں۔جنہیں بعض علماء نے ایک جزء کبیر میں جمع کیا ہے‘‘(الفتح المبین صفحہ ۲۰۱)

۲۔ **(جمع الجوامع/جامع کبیر)اور جامع صغیر میں مذکوراحادیث قدسیہ**۔مؤلف:الامام العلام جلال الدین السیوطی رحمہ اللہ (م۔۹۱۱ھ)۔یہ احادیث قدسیہ کی مستقل کتاب نہیں ہے لیکن مؤلف رحمہ اللہ نے حروف تہجی کی رعایت سے اس کتاب میں احادیث کو جمع کیا ہے اس لئے احادیث قدسی کے ذکر میں ایک ’’امتیاز‘‘ پیدا ہوگیا ہے اور ’’قال اللہ تعالیٰ‘‘ کے عنوان کے تحت احادیث قدسیہ کی ایک معتدبہ تعداد یکجا ذکر کردی گئی ہے۔چنانچہ جمع الجوامع میں ایک سوتینتیس (۱۳۳)اور جامع صغیر میں چھیاسٹھ(۶۶)احادیث قدسیہ مذکور ہیں۔

۳۔**الاحادیث القدسیۃ الاربعینیۃ**: مؤلف : ملاعلی القاری الفقیہ المحدث الحنفی (م۔۱۰۱۶ھ)

جیسا کہ عنوان سے ظاہر ہے اس کتاب میں چالیس احادیث قدسیہ مذکور ہیں جنہیں مؤلف علیہ الرحمۃ نے ذخیرۂ حدیث سے منتخب کیا ہے ۔یہ کتاب ترکی کے شہر آستانہ سے ۱۳۱۶ھ

بمطابق ۱۸۹۸ء میں طبع ہوئی اور پھر شام کے شہر حلب سے ۱۳۴۶ھ بمطابق ۱۹۲۷ میں دوبارہ شائع ہوئی۔

۴۔الاتحاف السنية بالاحاديث القدسية ۔مؤلف:الشیخ عبدالرؤف المناوی(المتوفی ۱۰۳۱ھ)۔

یہ کتاب دوسوبہتر(۲۷۲)احادیث قدسیہ پر مشتمل ہے جوکہ حروف تہجی کی ترتیب سے مذکور ہیں اور قاہرہ سے متعدد بار شائع ہوچکی ہے۔

۵۔الاتحاف السنية فى الاحاديث القدسية ۔مؤلف:محمد محمود طر بزونی المدنی الفقیہ الحنفی(متوفی ۱۲۰۰ھ بمطابق ۱۷۹۵ء)

''فی''اور''ب'' کے معمولی فرق کے علاوہ نام میں شیخ مناوی صاحب کی کتاب کے ہم نام ہے لیکن ایک مستقل اور وقیع کتاب ہے جس کی تالیف میں مؤلف علیہ الرحمۃ نے دوسری کتب حدیث کے علاوہ علامہ سیوطی اور علامہ مناوی رحمہ اللہ کے مجموعوں سے بھر پور نقل واستفادہ کیا ہے اور صاحب کتاب کو احادیث قدسیہ کا جس قدر ذخیرہ مل سکا اسے اپنے مجموعہ میں شامل کرنے میں بخل سے کام نہیں لیا۔انتخاب ونقل میں مؤلف کی رواداری اور وسعت کا یہ عالم ہے کہ ضعیف روایات تو درکنار بہت سی موضوع روایتیں بھی نقل کردی ہیں۔لیکن علمی دیانت کے پیش نظر مؤلف نے ان پر تنبیہ ضرور کردی ہے۔

اس تالیف میں آٹھ سوتریسٹھ(۸۶۳)احادیث قدسیہ موجود ہیں جبکہ مؤلف علیہ الرحمۃ کے خیال کے مطابق تلاش وجستجو سے مزید تعداد جمع کی جاسکتی ہے۔یہ مجموعہ حیدرآباد دکن سے دو مرتبہ(۱۳۲۳ھ بمطابق ۱۹۰۵ء اور ۱۳۵۸ بمطابق ۱۹۳۹ء میں)شائع ہوچکا ہے اور مصر سے ۱۳۸۷ھ بمطابق ۱۹۷۶ء میں طبع ہوا۔

۶۔ الاحاديث القدسية : مصر کی مجلس اعلیٰ برائے مذہبی امور کے ذیلی شعبہ لجنة القرآن

والحدیث نے دواجزاء پر مشتمل یہ مجموعہ تالیف کیا جس میں صحاح ستہ اور مؤطا امام مالک میں موجود احادیث قدسیہ شامل کی گئیں ہیں۔ یہ چار سو (۴۰۰) احادیث قدسیہ پر مشتمل ہے جس میں ایک حدیث کی مختلف روایات کو بھی مستقل حدیث شمار کیا گیا ہے اور آج تک زیور طبع سے آراستہ ہونے والے ''مجموعات قدسیہ'' میں ایک انتہائی منضبط، وسیع اور قابل قدر مجموعہ ہے لیکن اگر مسند احمد اور باقی کتب حدیث سے بھی احادیث قدسیہ کا انتخاب اس میں شامل کر لیا جاتا تو اس مجموعہ کی جامعیت اور افادیت دوبالا ہو جاتی۔

احادیث قدسیہ کے مضامین

عام احادیث نبویہ کے مقابلہ میں احادیث قدسیہ کی تعداد بہت کم ہے۔اسی وجہ سے ان میں بیان شدہ مضامین بھی کم ہیں۔ البتہ ''قول ربانی'' ہونے کی بناء پر ان احادیث کا مخصوص دائرہ کار اور منفرد چھاپ ہے۔احادیث قدسیہ میں غور وخوض سے مندرجہ ذیل عنوانات کے تحت ان میں بیان شدہ مضامین کا خلاصہ نکالا جا سکتا ہے:

۱۔ **عقیدۂ توحید کی پختگی:** ایک مخصوص انداز میں عقیدۂ توحید کی اصلاح اور اس میں پختگی کا درس دیا جاتا ہے۔کفر وشرک سے علیحدگی اور دوری کی تعلیم ہوتی ہے۔شکوک وشبہات سے پاک کیا جاتا ہے۔خالق کائنات کی عظمت وجلال اور صفات الٰہیہ کی انفرادیت اور کمال کا بیان ہوتا ہے اور صدق دل اور خلوص نیت کے ساتھ یکسو ہو کر متوجہ الی اللہ ہونے پر برانگیختہ کیا جاتا ہے۔

۲۔ **عبادات میں حسن وخوبصورتی پیدا کرنا:** فرض اور نفل عبادات۔نماز، روزہ، حج، زکوۃ ذکر ونوافل کو پورے اخلاص اور یکسوئی کے ساتھ ثواب کی نیت سے ادائیگی کی ترغیب دی جاتی ہے۔

۳۔ **اخلاق وکردار کی بلندی:** اچھی صفات، نیکی کا جذبہ، صلہ رحمی، خدمت خلق، صالحین

کی محبت ،امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی خوبیاں بیان کر کے ان اعمال کا شوق وجذبہ ابھارا جاتا ہے۔

۴۔ **فنافی اللہ:** رضاء بالقضاء، دربار خداوندی میں حاضری کا شوق، اپنے خالق و مالک کی رضامندی کے حصول اور اطاعت شعاری میں جان و مال لٹا دینے کا جذبہ پیدا کیا جاتا ہے۔

۵۔ **آخرت کی تیاری:** قیامت کے دن کی جزاوسزا کے استحضار کے ساتھ توبہ و استغفار کے اہتمام، خوف ورجاء کی کیفیت، اعمال صالحہ کے ذریعے قرب خداوندی اور حصول شفاعت کی کوشش اور رحیم وکریم ذات کی وسیع ولامتناہی رحمتوں پر کامل اعتماد کے ساتھ آخرت کی تیاری اوراس کا شوق وجذبہ بیدار کیا جاتا ہے۔

خلاصہ کی بات یہ ہے کہ احادیث قدسیہ الوہیت وعبودیت کے معنی میں نکھار پیدا کرتی ہیں۔اچھی اقدار کی گہرائی وگیرائی کو واضح کرتی ہیں۔عقائد،عبادات اور اخلاقیات کے دائرہ کار سے نکل کر فقہی مسائل واحکام اور معاملات میں دخل انداز نہیں ہوتیں۔

احادیث قدسیہ کا اپنا منفرد اسلوب ہے جوان کے موضوع ومضمون کے ساتھ انتہائی مناسبت رکھتا ہے۔براہ راست گفتگو کا انداز اپنایا گیا ہے۔جس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کے لئے ایک ”مقدس پکار“ ہوتی ہے یا آقا اور غلام کے درمیان سرگوشی کا پیار بھرا انداز ہوتا ہے۔غرضیکہ ایسا انداز اختیار کیا جاتا ہے جس سے خالق ومخلوق ،عابد ومعبود اور بندے اور آقا کے درمیان رابطہ میں پختگی اور گہرائی پیدا ہوجائے۔

بہرحال احادیث قدسیہ کا اسلوب اپنی تمام صورتوں میں تاثیر میں ڈوبا ہوا اپنے اندر ”روحانی چھاپ“ لئے ہوئے ہوتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ ترغیب وترہیب اور تصوف ومجاہدات کی کتابوں میں مصنفین نے احادیث قدسیہ سے زیادہ استفادہ اور استدلال کیا ہے۔

حدیث نمبرا

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: "لَمَّاقَضَی اللّٰہُ الْخَلْقَ، کَتَبَ فِیْ کِتَابِه عَلٰی نَفْسِه، فَهُوَ مَوْضُوْعٌ عِنْدَهٗ: اِنَّ رَحْمَتِیْ تَغْلِبُ غَضَبِیْ".

رواه مسلم (وكذلك البخاري والنسائي وابن ماجة)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

"جب اللہ تعالیٰ نے کائنات کی تخلیق مکمل کرلی تو اپنی کتاب میں اپنے متعلق لکھ دیا جو کہ اس کے پاس موجود ہے۔"تحقیق میری رحمت میرے غضب پر غالب رہے گی۔"

(مسلم، بخاری، نسائی، ابن ماجہ)

تشریح: رحمت خداوندی کی وسعت کے مطابق قرآن کریم میں آتا ہے۔ورحمتی وسعت کل شئ ۔(اور میری رحمت ہر چیز پر وسیع ہے)۔اور اس حدیث مبارک میں فرمان ہے:"میری رحمت میرے غضب پر غالب رہتی ہے"۔یعنی جب ایک طرف غضب کے تقاضے ہوں اور دوسری طرف رحمت کے تقاضے ہوں تو رحمت الٰہیہ کا پلڑا بھاری رہے گا۔لہٰذا اگر کوئی ایسا عمل سرزد ہوجائے جو غضب خداوندی کو دعوت دیتا ہو تو فوراً ہی ایسا عمل انجام دے لینا چاہیے جو رحمت خداوندی کو کھینچنے والا ہو چنانچہ اللہ کی رحمت کا پہلو اللہ کے غضب وغصہ پر غالب آجائے گا اور اس کی مغفرت کی راہ ہموار ہوجائے گی۔آپ الفاظِ حدیث میں غور کریں! کس طرح مایوسیوں کے بادل چھٹتے ہوئے اور امیدوں کی گھٹا چھاتی ہوئی نظر آتی ہے کہ اللہ کی رحمت، غصہ پر غالب ہی رہتی ہے اور یہ بات لکھ کر اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس رکھی ہوئی ہے۔گویا اس کی خلاف ورزی ہو ہی نہیں سکتی۔ان اللہ لا یخلف المیعاد (اللہ تعالیٰ کبھی بھی وعدہ خلافی نہیں کرتے)۔

ایک حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رحمت کے سو(۱۰۰) حصے کئے ہیں جن میں سے ننانوے(۹۹) حصے اپنے پاس رکھے کہ ان سے اپنی مخلوق پر رحم کریں گے اور ایک حصہ مخلوقات میں تقسیم کردیا۔ یہ اسی سوویں (۱۰۰) حصے کی برکت ہے کہ مخلوقات باہمی طور پر محبت ومؤدت سے پیش آتی ہیں ۔ماں باپ اپنی اولاد کے لئے شفقت وپیار کے جذبات رکھتے ہیں۔ جب ایک حصہ کا یہ کرشمہ ہے تو جس ذات کے پاس ننانوے(۹۹) حصے ہیں اس کے رحم وکرم اور عفوودرگزر کا کیا عالم ہوگا!!۔

تاریخی روایت ہے کہ حجاج بن یوسف کے انتقال کے وقت اس کی ماں بہت غمگین اور پریشان تھی۔حجاج کے پوچھنے پر اس نے کہا کہ بیٹا تمہارے لئے پریشان ہوں کہ تمہارا کیا بنے گا؟ اس نے کہا: '' اماں! اگر تمہیں جنت یا دوزخ کا اختیار مل جائے تو تم مجھے کہاں ڈالوگی؟'' اس نے کہا: ''جنت میں!''۔حجاج کہنے لگا کہ جس اللہ کے پاس میں جارہا ہوں وہ تم سے بھی ننانوے(۹۹) درجے زیادہ رحیم ہے۔

اللہ اپنی رحمتوں کے دامن میں جگہ نصیب فرمائے۔(آمین)

......☆......☆......

حدیث نمبر۲

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهُ ، عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

” قَالَ اللّٰہُ تَعَالیٰ : كَذَّبَنِي ابْنُ آدَمَ ، وَلَمْ يَكُنْ لَهُ ذٰلِکَ ، وَشَتَمَنِي وَلَمْ يَكُنْ لَهُ ذٰلِکَ. فَأَمَّا تَكْذِيبُهُ اِيَّایَ ، فَقَوْلُهُ : لَنْ يُّعِيدُنِی كَمَابَدَأَنِي ، وَلَيْسَ أَوَّلُ الْخَلْقِ بِأَهْوَنَ عَلَيَّ مِنْ اِعَادَتِهِ . وَأَمَّاشَتْمُهُ اِيَّایَ، فَقَوْلُهُ : اتَّخَذَاللّٰہُ وَلَداً ، وَأَنَا الْأَحَدُ الصَّمَدُ، لَمْ أَلِدْ وَلَمْ أُوْلَدْ ، وَلَمْ يَكُنْ لِي كُفُواً أَحَدٌ “.

رواہ البخاری (وكذلك النسائي)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ابن آدم نے مجھے جھٹلایا حالانکہ اسے اس بات کا حق نہیں پہنچتا تھا اور اس نے مجھے گالی دی حالانکہ اسے اس بات کا بھی حق نہیں پہنچتا تھا۔ اس کا مجھے جھٹلانا تو یہ ہے کہ یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے دوبارہ پیدا نہیں کر سکیں گے! جیسا کہ مجھے پہلے پیدا کیا! حالانکہ پہلی مرتبہ پیدا کر لینا دوسری مرتبہ پیدا کرنے سے زیادہ آسان نہیں تھا! اور اس کا مجھے گالی دینا یہ ہے کہ یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اولاد ہے۔ حالانکہ میں اکیلا اور بے نیاز ہوں۔ نہ میں نے کسی کو جنا ہے اور نہ ہی میں کسی سے جنا گیا ہوں اور نہ ہی میرا کوئی ہمسر ہے!“۔

(بخاری۔نسائی)

تشریح: شکایت کا کیسا پیار بھرا انداز ہے۔ آقا اپنے بندے سے، خالق اپنی مخلوق سے اور مالک اپنے مملوک سے محبوبانہ شکوہ کر رہا ہے۔ جس میں دلائل سے مطمئن کرنے کا انداز بھی ہے اور جذبات کو ابھار کر عار دلانے اور شرم کا احساس پیدا کرنے کا اسلوب بھی!۔ ابن آدم کے لفظ سے انسان کو اس کی اصلیت یاد دلائی گئی ہے کہ تمہارے جدامجد کو میں نے مٹی سے پیدا کر کے شرف انسانیت سے نوازا۔ عدم سے وجود بخشا۔ حسن وخوبصورتی کا اعلیٰ نمونہ بنایا اور مسجودِ ملائکہ بنا

کر رفعت و بلندی کے بام عروج پر پہنچا دیا۔ گویا یہ کچھ بھی نہیں تھا، میں نے اسے سب کچھ بنا دیا ۔تذکرہ کے قابل بھی نہیں تھا، میں نے صدر نشین محفل بنا دیا۔ میرے اسی نمک خوار کا بیٹا میرے بارے میں اس قسم کی گفتگو کررہا ہے!؟ اپنے اختیارات اور اپنی حیثیت سے تجاوز کر رہا ہے۔ حالانکہ اگر یہ اپنے اوپر اور اپنے جدامجد پر میرے احسانات ہی کو سوچ لے تو اسے ایسی حرکت سے باز رکھنے کے لئے یہی کافی ہے!۔ ''جھٹلانے'' کا مطلب یہ ہے کہ میں اسے مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کروں گا اور یہ حیات بعدالموت کا انکار کرتا ہے گویا میرے دعوے کو جھٹلا رہا ہے۔انسان اپنی حیثیت میں غور کرے تو اسے اس قسم کی بات کرنے کا اختیار ہی نہیں ہے۔ پھر یہ سوچے کہ جس اللہ نے اسے پہلے بغیر کسی سابقہ نقشہ یا نمونے کے پیدا کر لیا بھلا اس کے لئے بنائی ہوئی چیز کو دوبارہ بنا لینا کون سا مشکل ہے؟ اگر اسے یہ مشکل نظر آتا ہے تو یہ غور کرے کہ پہلے پیدا کرنا کون سا آسان کام تھا؟ اور یہ مشکل اور آسان تو انسانی نکتہ نگاہ سے ہے، اللہ تعالیٰ کے لئے تو سب برابر ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے : **ما خلقکم و لا بعثکم الا کنفس واحدۃ۔**

''گالی دینے'' کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ صمد اور بے نیاز ہے، بے مثل اور بے مثال ہے۔ نہ اس کا کوئی باپ ہے اور نہ ہی وہ کسی کا باپ ہے۔ نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ ہی وہ کسی کی اولاد ہے۔ مگر انسان کی ناسمجھی دیکھئے کہ کوئی کہتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ عزیر علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں۔ فرمان باری تعالیٰ ہے: **وقالت الیھود عزیر ابن اللہ وقالت النصاری المسیح ابن اللہ** (یہودیوں نے کہا کہ عزیر اللہ کے بیٹے اور نصرانیوں نے کہا کہ مسیح اللہ کے بیٹے)۔ عزیر علیہ السلام بھی انسان تھے اور مسیح علیہ السلام بھی انسان تھے اور اللہ تعالیٰ غیر انسان ہیں۔ بھلا غیر انسان کے ہاں انسان کا پیدا ہونا کیسے ممکن ہوسکتا ہے؟ پہلی بات تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ واجب الوجود ہیں، ان کی جنس کا کوئی دوسرا فرد ہو ہی

نہیں سکتا لیکن اگر بالفرض والتقدیر ان کی اولاد ہو بھی تو وہ انہی کی جنس سے ہونی چاہیے تھی۔ اللہ کے گھر میں انسان یعنی غیر جنس کا پیدا ہونا بہت بڑا عیب ہے۔ جس طرح انسان کے گھر میں غیر انسان یعنی ''بھیڑ'' یا ''بکری'' کا پیدا ہو جانا بہت بڑا عیب ہے بلکہ اگر کہیں اس قسم کا واقعہ پیش آجائے تو وہ منہ چھپاتا پھرے گا اور اگر کسی انسان کو اس کے گھر میں کسی دوسرے جانور کا بچہ پیدا ہونے کی خبر دی جائے تو وہ اسے انتہائی معیوب اور اپنے لئے باعث ہتک اور باعث ننگ و عار سمجھے گا۔ تو انسان نے اللہ تعالیٰ کے ہاں انسان کی پیدائش کو کیسے ممکن سمجھ کر باور کر لیا؟؟ یہ تو بہت بڑا عیب اور بہت بڑی گالی ہے۔ قرآن کریم میں ہے: **تکاد السموات یتفطرن منه وتنشق الارض وتخر الجبال هداo ان دعو اللرحمن ولدا o ومایبنغی للرحمن ان یتخذ ولدا o** (آسمان اس سے پھٹنے لگا۔ زمین میں شگاف پڑنے لگے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر گرنے لگے ان کے رحمٰن کے لئے اولاد کا دعویٰ کرنے کی وجہ سے۔ رحمٰن کی شان کے لائق ہی نہیں کہ وہ اولاد کو اپنے لئے بنائے)۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد کو ثابت کرنے کی کوشش دراصل اللہ تعالیٰ کو گالی دینے کے مترادف ہے۔ اور کائنات کی ہر چیز اس کی ملکیت ہے اور اولاد ملکیت نہیں بن سکتی۔ اس طرح اس کی ملکیت میں بھی نقص لازم آئے گا بلکہ اگر اولاد ہوگی تو اس کی شریک کار بھی سمجھی جائے گی جبکہ اس کا کوئی ساجھی اور شریک نہیں، وہ صمد اور بے نیاز ہے، اس کا کوئی ہمسر نہیں۔

حدیث نمبر۳

عَنْ زَيْدِبْنِ خَالِدِالْجُهْنِي رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ:

صَلّٰى لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، صَلاَةَ الصُّبحِ بِالْحُدَيْبِيَّةِ ، عَلٰى اِثْرِ سَمَاءٍ (١) كَانَتْ مِنَ اللَّيْلَةِ . فَلَمَّا انْصَرَفَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، أَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ، فَقَالَ لَهُمْ : ”هَلْ تَدْرُوْنَ مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ ؟ قَالُوْا : أللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ أَعْلَمُ ، قَالَ : أَصْبَحَ مِنْ عِبَادِىْ مُؤمِنٌ بِي وَكَافِرٌ، فَأَمَّا مَنْ قَالَ : مُطِرْنَا بِفَضْلِ اللّٰهِ وَرَحْمَتِهِ ، فَذٰلِكَ مُؤمِنٌ بِي ، كَافِرٌ بِالْكَوْكَبِ . وَأَمَّا مَنْ قَالَ: مُطِرْنَا بِنَوْءٍ (٢) كَذَا وَكَذَا ، فَذٰلِكَ كَافِرٌ بِي، مُؤمِنٌ بِالْكَوْكَبِ“ .

رواه البخاري (وكذلک مالک والنسائى) .

---

(١) عصب مطر
(٢) النوء : الكوكب: ربطوا نزول المطر به ـ والله خالق الكوكب ومسبر لكل الظواهر الطبعية

☆......☆......☆

ترجمہ: حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ:

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے مقام پر فجر کی نماز پڑھائی۔اس رات بارش ہوئی تھی۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز سے فارغ ہوئے تو لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا!”تم جانتے بھی ہو کہ ہمارے پروردگار نے کیا فرمادیا؟“لوگوں نے جواب دیا کہ ”اللہ اوراس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ”میرے بعض بندے مجھ پر ایمان لانے والے ہوگئے اور بعض کفر کرنے والے ہوگئے۔جس نے کہا کہ اللہ کے فضل اوراس کی رحمت سے بارش ہوئی وہ مجھ پر ایمان

لانے والا اور ستاروں کا انکار کرنے والا ہے اور جس نے کہا کہ فلاں فلاں ستارے کی وجہ سے بارش ہوئی تو وہ ستاروں پر ایمان لانے والا اور میرا انکار کرنے والا ہے۔‘‘

(بخاری۔موطا۔نسائی)

تشریح: اس مبارک حدیث میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سفر وحضر میں اصلاح وتربیت کے کسی بھی موقع کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے اور صحابہ کرام کی بروقت رہنمائی کرکے اپنے فرض منصبی کو احسن طریقے سے ادا کیا کرتے تھے۔

زمانہ جاہلیت میں لوگوں میں یہ نظریہ پایا جاتا تھا کہ ہر نئے پیش آمدہ واقعہ کو آسمانی ستاروں کا کرشمہ سمجھا جاتا اور یہ خیال کیا جاتا کہ فلاں ستارہ مہربان ہوگیا ہے جس کی وجہ سے زمین والوں کو یہ فائدہ پہنچا ہے اور فلاں ستارہ ناراض ہوگیا ہے جس کی وجہ سے یہ نقصان پہنچا ہے۔ چنانچہ بارش کے بارے میں بھی ان کا نقطہ نظر اسی قسم کا تھا کہ مخصوص قسم کے ستارے کی مہربانی سے اہل زمین سیراب کئے جاتے ہیں۔

چونکہ اس قسم کے نظریات اور عقائد معاشرہ کے افراد میں سستی، کاہلی اور بے عملی کے خطرناک جراثیم پیدا کردیتے ہیں جو قوموں کی قوت عمل کو تباہ کرکے رکھ دیتے ہیں اور سفر کے موقع پر انسان میں مہم جوئی اور نئے حقائق کو اپنے اندر سمو لینے کا ایک فطری جذبہ موجزن ہوتا ہے۔ اس لئے اس موقع سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے آپ ﷺ نے وحی الٰہی کی روشنی میں صحابہ کرام کی رہنمائی فرمائی اور رات بھر کی بارش کے بعد فجر کے وقت اس تازہ پیش آمدہ واقعہ کے بارے میں صحیح حقائق اور اسلامی تعلیمات کو بیان کرنے کیلئے گفتگو کا انوکھا انداز اختیار کیا کہ ’’جانتے بھی ہو! آج رات اللہ تعالیٰ نے کیا فرمادیا؟‘‘ اس سوال سے نبی کریم ﷺ صحابہ کرام کی توجہ اپنی طرف مبذول کراکے ان میں تلاش وجستجو کا مادہ ابھارنا چاہتے تھے جو بدرجہ اتم حاصل ہوگیا۔ چنانچہ وہ ہمہ تن گوش ہوگئے۔ انہوں نے کہا ’’اللہ اور اس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں‘‘ صحابہ

کرام کے اس جواب سے ان کی خود سپردگی، حصول علم کا جذبہ اور نئی بات جاننے کا شوق و ولولہ صاف ظاہر ہو رہا تھا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: کہ اس بارش پر تبصرہ کے نتیجے میں میرے بندے دو گروہوں میں منقسم ہو گئے ہیں۔ (۱) مؤمن (۲) کافر۔ جن کا عقیدہ یہ ہے کہ مؤثر حقیقی ذات خداوندی ہے اور اسی کے فضل و کرم سے باران رحمت کا نزول ہوتا ہے تو یہ میرے حق میں مومن اور ستاروں کے حق میں کافر ہیں۔ اور جن کا عقیدہ یہ ہے کہ فلاں آسمانی ستارے کی تاثیر سے بارش برستی ہے۔ تو وہ ستاروں کے حق میں مومن اور میرے حق میں کافر ہیں۔

فاعل اور مؤثر حقیقی ذات باری تعالیٰ ہے۔ وہی مسبب الاسباب ہے۔ اس کے حکم کے بغیر بارش کا ایک قطرہ بھی زمین پر نہیں گر سکتا۔ وہ چاہے تو ''مون سون'' یا بادلوں کو بطور اسباب استعمال کر لے اور ان کے ذریعہ بارش برسا دے اور چاہے تو ان کے بغیر بارش برسا دے۔ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ ''مون سون'' کا سارا موسم گزر جائے اور آسمان پر کالی گھٹائیں چھائی رہیں اور بارش کا ایک قطرہ بھی نہ برسے اور ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ نہ ''مون سون'' ہو اور نہ ہی بادل مگر بارش سے جل تھل ہو جائے۔

اگر فاعل اور مؤثر حقیقی ذات باری تعالیٰ کو جانتے ہوئے کسی دوسرے سبب کی طرف بارش کو منسوب کرتا ہے تو یہ کفر نہیں کہلائے گا۔

حدیث نمبر۴

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :
"قَالَ اللّٰهُ : يَسُبُّ بَنُوا آدَمَ الدَّهْرَ ، وَأَنَا الدَّهْرُ ، بِيَدِي اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ".
رواه البخاری (و کذلک مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
"اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: بنی آدم زمانہ کو برا بھلا کہتے ہیں۔ حالانکہ میں ہی زمانہ ہوں اور دن رات میرے ہی قبضہ قدرت میں ہیں۔" (بخاری۔مسلم)

تشریح: "میں ہی زمانہ ہوں" کے معنی یہ ہیں کہ میرے حکم اور ارادوں سے زمانہ میں تبدیلیاں آتی ہیں۔ لہٰذا زمانہ کو برا بھلا کہنا دراصل اللہ تعالیٰ پر اعتراض کرنا ہے۔ بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ بات بات میں یہ کہتے رہتے ہیں کہ "صاحب! زمانہ بڑا خراب آ گیا ہے"۔ "کیا کریں؟ زمانہ ہی ایسا ہے"۔ یہ دراصل اپنی ذمہ داری سے پہلوتہی کی واضح مثال ہے کہ "فعل بد تو خود کرے اور لعنت شیطان پر" یعنی غلطی کا ارتکاب کر لینے کے بعد اس کے اثرات کی ذمہ داری خود قبول کرنے کے بجائے زمانہ پر ڈال دی۔ حالانکہ زمانہ کا تغیر و تبدل ارادۂ الٰہی کے تابع ہے اور حالات کا بناؤ اور بگاڑ اعمال کے ساتھ مربوط ہے۔ لہٰذا اخلاقی جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے بگاڑ اور فساد کی ذمہ داری خود قبول کر کے اس کی اصلاح کی کوشش کرنی چاہیے۔

حدیث نمبر ۵

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ : ”قَالَ اللّٰهُ تَبَارَکَ وَتَعَالیٰ : أنَا أغْنَی الشُّرَکَاءِ عَنِ الشِّرْکِ : مَنْ عَمِلَ عَمَلاً أَشْرَکَ فِیْهِ غَیْرِیْ (۱) ، تَرَکْتُهٗ وَشِرْکَهٗ.

رواہ مسلم (وکذلک ابن ماجة)

(۱) اشرك فی قصده اذ عمل العمل للّٰه ولغیره

☆☆☆

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
”اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں: میں تمام شرکاء میں سب سے زیادہ مستغنی ہوں۔ جس شخص نے کوئی عمل کیا اور اس میں میرے غیر کو شریک کیا تو میں اسے اس کے شرک کے حوالے کردیتا ہوں۔“ (مسلم۔ ابن ماجہ)

تشریح: اس حدیث شریف میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ریاکاری اور دکھاوے کے لئے انجام دیا جانے والا عمل دربار خداوندی میں کوئی اہمیت یا وزن نہیں رکھتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کو عمل کی حاجت نہیں ہے اور جسے دکھاوے کے لئے اس نے عمل کیا ہے وہ محتاج ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ اس عمل میں اپنے حصہ سے دستبردار ہو کر پورا عمل ہی اپنے غیر کے لئے چھوڑ دیتے ہیں۔ ایک دوسری حدیث میں آتا ہے کہ تم نے جس کے لئے عمل کیا تھا جاؤ ثواب اسی سے لے لو۔

ایک حدیث شریف میں ریاکاری کو شرک خفی قرار دیا گیا ہے کہ یہ ایسا چھپا ہوا شرک ہے جو آسانی سے محسوس نہیں ہوتا اس لئے اس میں زیادہ لوگ مبتلا ہو جاتے ہیں اور اپنے اعمال کو ضائع کر بیٹھتے ہیں۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں ؎

کلید در دوزخ است آن نماز
کہ در چشم مردم گزاری دراز

(وہ نماز جہنم کے دروازے کی چابی ہے جو لوگوں کو دکھانے کے لئے لمبی پڑھی گئی ہو)۔حدیث شریف میں آتا ہے کہ کوئی بھی نیک عمل کر لینے کے بعد اگر یہ دعا پڑھ لی جائے تو ریاء کاری کے گناہ سے حفاظت ہو جاتی ہے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ أَعُوْذُبِکَ مِنْ اَنْ اُشْرِکَ بِکَ شَیْئاً اَعْلَمُہٗ وَأَسْتَغْفِرُکَ لِمَالَا اَعْلَمُہٗ.

ترجمہ: اے اللہ! میں تیری پناہ میں آتا ہوں اس بات سے کہ جانتے بوجھتے ہوئے کسی چیز کو تیرے ساتھ شریک کروں اور اس سے بھی استغفار کرتا ہوں کہ لاعلمی میں کسی چیز کو تیرے ساتھ شریک کروں۔

حدیث نمبر۶

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ :سَمِعْتُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ:

”اِنَّ أَوَّلَ النَّاسِ یُقْضیٰ یَوْمَ الْقِیَامَةِ عَلَیْهِ رَجُلٌ اسْتُشْهِدِ ،فَأُتِيَ بِهِ فَعَرَّفَهُ نِعَمَهُ فَعَرَفَهَا قَالَ : فَمَا عَمِلْتَ فِیْهَا ؟ قَالَ : قَاتَلْتُ فِیْکَ حَتّیٰ اسْتَشْهَدْتُ، قَالَ : کَذِبْتَ ، وَلٰکِنَّکَ قَاتَلْتَ لِأَنْ یُقَالَ: جَرِیٌٔ، فَقَدْ قِیْلَ. ثُمَّ اُمِرَ بِهِ فَسُحِبَ عَلیٰ وَجْهِهِ حَتَّی أُلْقِیَ فِي النَّارِ. وَرَجُلٌ تَعَلَّمَ الْعِلْمَ وَعَلَّمَهُ وَقَرأَ الْقُرْآنَ ، فَأُتِيَ بِهِ ، فَعَرَّفَهُ نِعَمَهُ فَعَرَفَهَا. قَالَ: فَمَاعَمِلْتَ فِیْهَا ؟ قَالَ : تَعَلَّمْتُ الْعِلْمَ وَعَلَّمْتُهُ ، وَقَرأْتُ فِیْکَ الْقُرْآنَ ، قَالَ : کَذَبْتَ ، وَلٰکِنَّکَ تَعَلَّمْتَ الْعِلْمَ لِیُقَالَ: عَالِمٌ ، وَقَرأْتَ الْقُرْآنَ ، لِیُقَالَ: هُوَ قَارِیٌٔ ، فَقَدْ قِیْلَ ، ثُمَّ اُمِرَ بِهِ فَسُحِبَ عَلیٰ وَجْهِهِ ، حَتَّی أُلْقِيَ فِی النَّارِ . وَرَجُلٌ وَسَّعَ اللّٰهُ عَلَیْهِ ، وَأَعْطَاهُ مِنْ أَصْنَافِ الْمَالِ کُلِّهِ ، فَأُتِيَبِهِ ، فَعَرَّفَهُ نِعَمَهُ فَعَرَفَهَا. قَالَ: فَمَاعَمِلْتَ فِیْهَا ؟ قَالَ :مَا تَرَکْتُ مِنْ سَبِیْلٍ تُحِبُّ أَنْ یُنْفَقَ فِیْهَا اِلَّا أَنْفَقْتُ فِیْهَا لَکَ ، قَالَ : کَذَبْتَ ، وَلٰکِنَّکَ فَعَلْتَ لِیُقَالَ : هُوَ جَوَّادٌ ، ثُمَّ اُمِرَ بِهِ فَسُحِبَ عَلیٰ وَجْهِهِ ، ثُمَّ أُلْقِيَ فِی النَّارِ .

(رواه مسلم وكذلك الترمذی والنسائی)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ:

قیامت کے دن سب سے پہلے جس شخص کے خلاف فیصلہ سنایا جائے گا:

(۱) وہ شخص ہوگا جو دنیا میں شہید ہوا ہوگا۔ اسے اللہ تعالیٰ کے سامنے لایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اسے اپنی نعمتیں یاد دلائیں گے۔ وہ ان کا اعتراف کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اس سے پوچھیں گے کہ تو نے میری نعمتوں کا کیا حق ادا کیا؟ وہ جواب دے گا کہ اے اللہ! میں تیرے راستہ میں جہاد کرتا رہا یہاں تک کہ شہید ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ تم جھوٹ کہتے ہو۔ تم نے تو جہاد اس لئے کیا تھا کہ لوگ تمہیں جرأتمند و بہادر کہیں۔ سو وہ دنیا میں کہا جاچکا پھر اس کے بارے میں حکم دیا جائے گا اور اسے منہ کے بل گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

(۲) وہ شخص ہوگا جس نے علم دین اور قرآن کریم کی تعلیم حاصل کی ہوگی اور دوسروں کو اس کی تعلیم دی ہوگی۔ اسے اللہ تعالیٰ کے سامنے لایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اسے اپنے انعامات یاد دلائیں گے وہ ان سب کا اعتراف کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اس سے پوچھیں گے کہ تو نے میرے انعامات کا کیا حق ادا کیا؟ وہ جواب دے گا کہ اے اللہ! میں نے علم دین اور قرآن کریم کی تعلیم حاصل کی اور آپ کی خوشنودی کے حصول کے لئے دوسروں کو تعلیم دی۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے تم جھوٹ کہتے ہو، تم نے تو اس لئے علم حاصل کیا تھا کہ لوگ تمہیں بڑا عالم کہیں اور قرآن کریم اس لئے پڑھا تھا کہ لوگ تمہیں بڑا قاری کہیں۔ سو وہ دنیا میں کہا جاچکا پھر اس کے بارے میں حکم دیا جائے گا اور اسے منہ کے بل گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

(۳) وہ شخص ہوگا جس پر اللہ نے وسعت کی ہوگی اور ہر قسم کا مال و دولت اسے عطا کیا ہوگا۔ اسے اللہ تعالیٰ کے سامنے لایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اسے اپنے انعامات کی یاددہانی کرائیں گے۔ وہ ان سب کا اعتراف کرے گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ تو نے ان انعامات کا کیا حق ادا کیا؟ وہ جواب دے گا کہ اے اللہ! میں نے کوئی راستہ ایسا نہیں چھوڑا جہاں تجھے خرچ کرنا پسند ہو اور میں نے خرچ نہ کیا ہو۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے ''تم جھوٹ کہتے ہو، تم نے تو اس لئے خرچ کیا تھا کہ لوگ تمہیں سخی کہیں۔ سو وہ کہا جاچکا۔'' پھر اس کے بارے میں بھی حکم دیا جائے گا اور اسے منہ کے بل گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

(مسلم۔ ترمذی۔ نسائی)

تشریح: انتہائی عظیم اور بابرکت حدیث شریف ہے جسے بیان کرتے ہوئے راوی حدیث حضرت ابوہریرہ اکثر بے ہوش ہوکر گر جایا کرتے تھے۔آپ کے گلے کی رگیں پھول جاتیں اور چہرہ کا رنگ متغیر ہوجاتا۔

ریاکاری اور دکھاوے کی ''نحوست'' دیکھئے کہ شہید فی سبیل اللہ، عالم دین،قاری اور سخی جیسے عظیم انسان بھی اپنے عظیم عمل کے ثمرات سے نہ صرف محروم رہے بلکہ ذلت ورسوائی کے ساتھ اوندھے منہ جہنم میں پھینک دیئے گئے۔معلوم ہوتا ہے کہ ''عمل صالح'' میں اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ کسی دوسرے کی شرکت کو کسی قیمت پر بھی گوارا نہیں کرتے۔''شہرت کے حصول کی نیت'' یا'' اپنی تعریف وتوصیف کی امیدیں'' ایسے خطرناک عوامل ہیں کہ جس عمل میں شامل ہوجائیں اسے نیکی برباد گناہ لازم کا مصداق بنادیتے ہیں۔

غضب خداوندی اور ناراضگی کی انتہاء ہے کہ حساب وکتاب کی ابتداء ہی ان ریاکاروں سے کی جائے گی اورانہیں جہنم رسید کرنے کے بعد ہی کسی دوسرے مسئلہ کو چھیڑا جائے گا اور ان کا منصب ''شہادت''، ''علم دین وقرأت قرآن'' اور ''سخاوت'' ان کے کسی کام نہ آسکے گا۔

حدیث نمبر ۷

عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ:

”يَعْجَبُ رَبُّكَ مِنْ رَاعِي غَنَمٍ ، فِي رَأْسِ شِظِّيَةِ الْجَبَلِ (١) ، يُؤَذِّنُ بِالصَّلَاةِ وَيُصَلِّي . فَيَقُوْلُ اللهُ عَزَّوَجَلَّ ، اُنْظُرُوْا اِلٰى عَبْدِىْ هٰذَا ، يُؤَذِّنُ وَيُقِيْمُ الصَّلَاةَ ، يَخَافُ مِنِّي ، قَدْ غَفَرْتُ لِعَبْدِي ، وَأَدْخَلْتُهُ الْجَنَّةَ“.

رواه النسائي بسند صحيح (٢)

---

(١) شظية الجبل : فِلقة منه

(٢) انظر الألباني : (مشكاة المصابيح) حديث ٦٦٥

☆☆☆

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

”تمہارا پروردگار اس چرواہے سے بہت خوش ہوتا ہے جو پہاڑ کے دامن میں اذان دے کر نماز پڑھے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ”میرے اس بندے کو دیکھو! یہ میرے ڈر سے اذان دے کر نماز پڑھ رہا ہے۔میں نے اپنے بندے کی مغفرت کردی اور جنت کا داخلہ طے کردیا“۔ (نسائی)

تشریح: اس مبارک حدیث میں جہاں ایک طرف اذان ونماز کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے وہاں اخلاص وللّٰہیت کی قدر ومنزلت بھی معلوم ہوتی ہے کہ پہاڑ کے دامن میں جہاں کوئی دیکھنے والا اور تعریف کرنے والا بھی نہیں ہے،اذان دے کر نماز کا اہتمام کرنے والا کوئی انتہائی مخلص

بندۂ خدا ہی ہوسکتا ہے۔اللہ تعالیٰ اس کے اس عمل کو اس قدر اہمیت دے رہے ہیں کہ فرشتوں کے سامنے اس پر فخر کرر ہے ہیں اور اس کی مغفرت اور دخول جنت کا اعلان کرر ہے ہیں۔ یہ بھی معلوم ہو گیا کہ مسلمان اکیلا ہی کیوں نہ ہو نماز کا وقت ہو جائے تو وہ جہاں کہیں بھی ہو اذان دے کر نماز پڑھنی چاہئے۔

❁❁❁

حدیث نمبر ۸

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ،عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ:

"مَنْ صَلّیٰ صَلاةً لَمْ يَقْرأْ فِيهَا بِأُمِّ الْقُرآنِ ، فَهِیَ خِدَاجٌ (١) ، ثَلاَ ثاً،غَيرَ تَمَامٍ . فَقِيلَ لِأَبِيهُرَيْرَةَ : اِنَّا نَكُوْنُ وَرَاءَ الْاِمَامِ . فَقَالَ : اقْرأْ بِهَا فِي نَفْسِکَ ، فَاِنِّي سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ : " قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ : قَسَمْتُ الصَّلَاةَ بَيْنِیْ وَبَيْنَ عَبْدِي نِصْفَيْنِ ، وَلِعَبْدِي مَا سَأَلَ. فَاِذَا قَالَ الْعَبْدُ : ﴿الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ : حَمِدَنِي عَبْدِي ، وَاِذَا قَالَ : ﴿الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ﴾ قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ : أَثْنیٰ عَلَيَّ عَبْدِي ، وَاِذَا قَالَ : ﴿مَالِکِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ قَالَ اللّٰهُ : مَجَّدَنِي عَبْدِي – وَقَالَ مَرَّةً : فَوَّضَ اِلَیَّ عَبْدِي – فَاِذَاقَالَ : ﴿اِيَّاکَ نَعْبُدُوَاِيَّاکَ نَسْتَعِيْنُ﴾ قَالَ : هٰذَا بَيْنِي مَا سَأَلَ. فَاِذَا قَالَ : ﴿اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ٥ صِرَاطَ الَّذِيْنَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ، غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلاَ الضَّآلِّيْنَ﴾ قَالَ: هٰذَالِعَبْدِي ، وَلِعَبْدِيمَاسَأَلَ .

رواه مسلم (وكذلك مالك والترمذى وأبوداؤد والنسائى وابن ماجة)

---

(١) خداج : ناقصة ، من خدج اذا نقص

☆☆☆

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
''جس شخص نے نماز میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی اس کی نماز ناقص ہے''۔تین مرتبہ فرمایا یعنی نامکمل ہے۔حضرت ابوہریرہ سے سامعین نے کہا کہ ہم تو امام کے پیچھے ہوتے ہیں۔تو انہوں

نے کہا کہ دل ہی دل میں پڑھ لیا کرو۔ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ "میں نے سورہ فاتحہ کو اپنے اور بندے کے درمیان تقسیم کرلیا ہے اور میرا بندہ جو مانگے وہی اسے ملے گا۔" پس جب بندہ کہتا ہے۔ **الحمد للہ رب العالمین** ۔(تمام تعریف اللہ رب العالمین کے لئے ہے) تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ "میرے بندے نے میری حمد بیان کی۔" جب بندہ کہتا ہے: **الرحمن الرحیم** (بہت رحم کرنے والا نہایت مہربان ہے) تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ "میرے بندے نے میری ثناء بیان کی۔" اور جب بندہ کہتا ہے **مالک یوم الدین** (روز جزاء کا مالک ہے) تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ "میرے بندے نے میری بڑائی بیان کی۔" اور بعض روایتوں میں ہے۔ "میرے بندے نے اپنا معاملہ میرے حوالے کردیا۔" پھر جب کہتا ہے **ایاک نعبد و ایاک نستعین** ۔(اے اللہ! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں) تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ "یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے اور میرا بندہ جو کچھ بھی مانگے گا وہی اسے ملے گا"۔ پھر جب کہتا ہے۔ **اھدنا الصراط المستقیم o صراط الذین انعمت علیھم ، غیر المغضوب علیھم و لا الضآلین o** (ہمیں سیدھی راہ دکھا ان لوگوں کی راہ جن پر تو نے انعام فرمایا۔ نہ ان لوگوں کی جن پر تیرا غضب نازل ہوا اور نہ ہی ان لوگوں کی جو گمراہ ہوئے)۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "یہ میرے بندے کے لئے ہے اور جو اس نے مانگا میں نے اسے وہی عطاء کردیا"۔

(مسلم، مالک، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

تشریح: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی بات سنتے ہی شاگردوں کا یہ اشکال پیش کردینا کہ "ہم امام کے پیچھے ہوتے ہیں" اس بات کی واضح دلیل ہے کہ قرون اولیٰ خاص طور پر دورِ صحابہ میں امام کے پیچھے قرأت نہیں کی جاتی تھی ورنہ اس قسم کے اشکال کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی وضاحت سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ امام کے پیچھے کھڑے ہوکر اِدھر اُدھر کے خیالات میں نہیں لگنا چاہیئے بلکہ سورہ فاتحہ کے الفاظ و معانی میں دل ہی دل میں

غور و خوض کرتے رہنا چاہئے۔

یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ سورہ فاتحہ محض یک طرفہ گفتگو یا قرأت نہیں ہے بلکہ یہ ایک مکالمہ ہے جو آقا اور غلام اور عابد و معبود کے درمیان اس شان سے وقوع پذیر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی ہر بات کا جواب دیتے ہیں اور ایک سے زیادہ مرتبہ فرماتے ہیں کہ میرا بندہ جو مانگے گا میں اسے عطا کروں گا۔اس کے بعد اس دعا کی قبولیت میں کوئی شک و شبہ نہیں رہ جاتا۔

☆☆☆

حدیث نمبر۹

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ : "اِنَّ أَوَّلَ مَا یُحَاسَبُ بِهِ الْعَبْدُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ مِنْ عَمَلِهٖ صَلاتُهُ . فَاِنْ صَلَحَتْ فَقَدْ أَفْلَحَ وَأَنْجَحَ ، وَاِنْ فَسَدَتْ فَقَدْ خَابَ وَخَسِرَ . فَاِنِ انْتَقَصَ مِنْ فَرِیْضَتِهٖ شَیْءٌ ،قَالَ الرَّبُّ عَزَّوَجَلَّ : أُنْظُرُوْا هَلْ لِعَبْدِي مِنْ تَطَوُّعٍ فَیُكَمَّلُ بِهَا مَاانْتَقَصَ مِنَ الْفَرِیْضَةِ .ثُمَّ یَكُوْنُ سَائِرُ عَمَلِهٖ عَلٰى ذٰلِكَ".

رواه الترمذی (۱) (وكذلك أبوداؤد والنسائی وابن ماجة وأحمد)

---

(۱) انظر أحمد شاكر : (سنن الترمذی) حدیث ٤١٣ ـ ج۲ ص ۲۷۱ حیث یبین تحسینه۔ وانظرالألبانی: (مشكوة المصابیح)۔ حدیث ۱۳۳۰ ـ ۱۳۳۱ ج۱ ص٤١٩ حیث یصححه۔

☆☆☆

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن بندہ کے اعمال میں سے سب سے پہلے نماز کا حساب ہوگا۔ اگر وہ درست نکلی تو وہ کامیاب وکامران ہوگا۔ اور اگر وہ خراب نکلی تو وہ ناکام ونامراد ہوگا۔ لیکن اگر اس کے فرائض میں کچھ کمی ہوئی تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے:

"دیکھو! کیا میرے بندے کے پاس کچھ نوافل ہیں؟ تاکہ اس کے فرائض میں جو کمی رہ گئی ہے وہ ان نوافل کے ذریعہ پوری کردی جائے"۔ پھر اس کے تمام اعمال کا حساب اسی طرح کیا جائے گا۔ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی، احمد، ابن ماجہ)

تشریح: اس حدیث شریف سے چند امور واضح ہوتے ہیں:

(۱) نماز کی اہمیت ثابت ہوتی ہے کہ قیامت کے دن حساب وکتاب کی ابتداء نماز سے کی

جائے گی۔

روز محشر کہ جانگداز بود   اولین پرسش نماز بود

(قیامت کا دن جو کہ انسانی جان کو پگھلا کر رکھ دے گا۔اس دن سب سے پہلے نماز کے بارے میں پوچھ گچھ ہوگی)۔

(۲) نماز کی درستگی کی صورت میں باقی اعمال کو بھی درست اور صحیح تسلیم کرلیا جائے گا اور نماز کی خرابی اور کوتاہی کی صورت میں باقی اعمال بھی کالعدم قرار دے دیئے جائیں گے اور ایسا شخص ناکام ونامراد قرار پائے گا۔

(۳) نفلی عبادات اور نفلی نمازوں کی اہمیت کہ اگر کسی شخص کی پورے اہتمام اور کوشش کے باوجود نماز میں کوئی خامی وکمزوری پائی گئی تو اللہ تعالیٰ اسے نوافل کے ذریعے پورا کرکے اس شخص کو فرض نماز کا پورا پورا اجروثواب دے دیں گے۔

(۴) نماز کے علاوہ باقی فرض عبادات روزہ،زکوٰۃ،حج وغیرہ میں بھی اگر کمی پائی گئی تو نفلی روزے،نفلی صدقات،عمرہ اور نفلی حج کے ذریعہ وہ کمی پوری کردی جائے گی اور اسے کامل واکمل فرائض کا ثواب عطا کیا جائے گا۔

لہٰذا فرض عبادات کے اہتمام کے ساتھ ساتھ نفلی عبادات کا ذخیرہ بھی رکھنا چاہیے تاکہ کل قیامت کے دن جب اعمال کی تکمیل یا فرائض کی ادائیگی کا کوئی موقع نہیں ہوگا ان نوافل کے ذریعہ انہیں پایہ تکمیل تک پہنچا دیا جائے۔سچ ہے۔

رحمت خدا بہانہ جوید   بہا   نمی   جوید

(اللہ کی رحمت بہانہ ڈھونڈتی ہے،قابلیت نہیں دیکھتی)۔

حدیث نمبر ۱۰

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ:

"يَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ : الصَّوْمُ لِيْ وَأَنَا أَجْزِي بِهِ ، يَدَعُ شَهْوَتَهُ وَأَكْلَهُ وَشُرْبُهُ مِنْ أَجْلِي ، وَالصَّوْمُ جُنَّةٌ (۱) وَلِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ : فَرْحَةٌ حِيْنَ يُفْطِرُ ، وَفَرْحَةٌ حِيْنَ يَلْقَى رَبَّهُ ، وَلَخَلُوْفُ (۲) فَمِ الصَّائِمِ أَطْيَبُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ رِيْحِ الْمِسْكِ".

رواه البخاری (وكذلك مسلم ومالك والترمذی والنسائی وابن ماجة)۔

(۱) الصوم جنة : أی وقاية۔

(۲) الخلوف : تغير الطعم والرائحة۔

☆☆☆

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: روزہ میرے لئے ہے اور میں بذاتِ خود اس کا بدلہ دیتا ہوں۔ کیونکہ روزہ دار میری ہی وجہ سے اپنی خواہشات اور کھانا پینا چھوڑتا ہے۔ روزہ ڈھال ہے۔ روزہ دار کے لئے خوشی کے دو مواقع ہیں: (۱) جب وہ افطار کرتا ہے۔ (۲) جب وہ اپنے رب سے ملاقات کرے گا۔ اور روزہ دار کے منہ کی بو اللہ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے بھی زیادہ پسندیدہ ہے۔" (بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

تشریح: یوں تو ہر نیک عمل کا بدلہ اور جزا اللہ تعالیٰ ہی عطاء فرمائیں گے۔ مگر وہ بالواسطہ یعنی فرشتوں کے ذریعہ عطا کی جائے گی مگر روزہ میں چونکہ خواہشات نفسانی اور کھانا پینا چھوڑ کر انتہائی اخلاص کا مظاہرہ کیا جاتا ہے حتیٰ کہ ایسے مقامات جہاں روزہ دار کو سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی دیکھنے والا اور اس کی حلال و جائز طریقہ پر کمائی ہوئی روزی سے کوئی روکنے والا نہیں

ہوتا، یہ محض خوف خدا کے پیش نظر اپنے روزہ کی حفاظت کرتا ہے اور سخت پیاس اور بھوک اور شہوت کے باوجود صبر کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اس کی یہ ادا اس قدر پسند آجاتی ہے کہ قیامت کے روز بذات خود بہ نفس نفیس اس کا بدلہ عطاء فرماتے ہیں۔ بلکہ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ ایک روایت کے مطابق اللہ تعالیٰ خود اس کا بدلہ بن جاتے ہیں اور جسے ''اللہ'' مل گئے اسے کونسی نعمت کی کمی باقی رہ گئی؟ گویا اسے سب کچھ مل گیا!۔

روزہ ڈھال ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ روزہ دار روزہ رکھنے کی برکت سے بہت سے گناہوں سے بچ جاتا ہے۔ گویا روزہ اس کے لئے ڈھال بن گیا اور روزہ دار جب گناہوں سے بچے گا اور اپنے روزہ کی حفاظت کرے گا تو وہ خود جہنم میں جانے سے محفوظ رہے گا۔ تو روزہ مسلمان کے لئے دنیا میں گناہوں سے ڈھال ہے اور آخرت میں جہنم سے ڈھال ہے۔

ایک دوسری حدیث شریف میں ''مالم یخر قھا'' کے الفاظ بھی آتے ہیں کہ ''جب تک اسے پھاڑ نہ ڈالے''۔ یعنی روزہ اسی صورت میں ڈھال بنے گا جبکہ روزہ کے خلاف کوئی عمل کر کے اسے ضائع نہ کر دے۔ افطار کے وقت خوشی کا مطلب یہ ہو گا کہ دن بھر کی بھوک اور پیاس کے بعد جب ''افطاری'' کی صورت میں انواع و اقسام کی نعمتیں اسے میسر آئیں گی تو اسے ایک طبعی خوشی نصیب ہوگی اور یہ احساس اس کی خوشی کو دوبالا کر دے گا کہ ''روزہ خور'' کا دن بھی گزر گیا اور اس کا دن بھی گزر گیا۔ مگر اس کا دن معصیت کی بجائے طاعات میں گزرا اور بوقت افطار مادی نعمتوں کے ساتھ اجر و ثواب بھی نصیب ہو گیا۔ ایک حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افطار کے وقت فرمایا کرتے تھے:

ذَهَبَ الظَّمَاءُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وثَبَتَ الْاَجرُ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ

ترجمہ: پیاس ختم ہوئی اور آنتیں تر ہو گئیں اور اللہ نے چاہا تو ثواب کے ملنے کی بات بھی پکی ہو گئی۔

اپنے رب سے ملاقات کے وقت خوشی کا مطلب یہ ہے کہ روزہ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے

خصوصی انعام واکرام ہوگا جسے روزہ دار بالمشافہ اللہ تعالیٰ سے وصول کرے گا بلکہ جب اللہ تعالیٰ خود ہی روزہ دار کے ہو جائیں گے تو اس کی خوشیوں کا کیا ٹھکانہ ہوگا؟

''روزہ دار کے منہ کی بُو'' کا مطلب یہ ہے کہ زیادہ دیر تک معدہ خالی رہنے کی وجہ سے معدہ سے ایک خاص قسم کی ''ہمک'' یا ''بساند'' اٹھتی ہے جو روزہ دار کے منہ سے ظاہر ہوتی ہے۔ چونکہ اللہ کے نام پر بھوکا اور پیاسا رہنے سے یہ ''بُو'' پیدا ہوئی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی خاص قدر و منزلت اور اہمیت ہوگی جیسا کہ انسانوں کے نزدیک مشک وعنبر کی اہمیت اور قدر ہوتی ہے۔

حدیث نمبر ۱۱

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ، أَنَّ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ:
"قَالَ اللّٰهُ : أَنْفِقْ يَا ابْنَ آدَمَ ، أُنْفِقْ عَلَيْكَ".

رواه البخاری (وکذلك مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
''اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: اے ابن آدم! تو (میرے راستہ میں) خرچ کر میں تجھ پر خرچ کروں گا۔'' (بخاری ومسلم)

تشریح: اس حدیث شریف میں سخاوت کی حوصلہ افزائی کی گئی ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے سے مال میں کمی نہیں ہوتی بلکہ اضافہ ہوتا ہے۔ایک حدیث شریف میں آتا ہے کہ روزانہ طلوع آفتاب کے ساتھ دو فرشتے ہوتے ہیں، ایک کہتا ہے: اللھم اعط منفقا خلفا ''اے اللہ! اپنے راستہ میں خرچ کرنے والے (سخی) کو بدلہ عطا فرما اور دوسرا کہتا ہے: اللھم أعط ممسکا تلفا ''اے اللہ! اپنے راستہ میں خرچ نہ کرنے والے (بخیل) کے مال کو ضائع فرما۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ اپنے راستہ میں خرچ کرنے والے پر خرچ کریں گے اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ وعدہ کی پاسداری کرنے والا اور کون ہوسکتا ہے؟ ان اللہ لایخلف المیعاد (اللہ تعالیٰ یقیناً وعدہ خلافی نہیں کرتے)۔

☆☆☆

حدیث نمبر۱۲

عَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدٍ الْأَنْصَارِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :

”حُوْسِبَ رَجُلٌ مِمَّنْ كَانَ قَبْلَكُمْ ، فَلَمْ يُوْجَدْ لَهُ مِنَ الْخَيْرِ شَيْءٌ اِلَّا أَنَّهُ كَانَ يُخَالِطُ (۱) النَّاسَ ، وَكَانَ مُوْسِراً ، فَكَانَ يَأْمُرُ غِلْمَانَهُ أَنْ يَتَجَاوَزُوْا عَنِ الْمُعْسِرِ . قَالَ (۲) ، قَالَ اللهُ : نَحْنُ أَحَقُّ بِذٰلِكَ مِنْكَ ، تَجَاوَزُوْا عَنْهُ“.

رواہ مسلم (وكذلك البخاری والنسائی)

(۱) يخالط الناس : يتعامل مع الناس فی المال ويشاركهم ۔وفی رواية ”يداين الناس“ وهی توضح المقصود۔

(۲) أی الرسول صلى اللهعليه وسلم

☆☆☆

ترجمہ: حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”پہلی قوموں میں سے ایک شخص کا حساب لیا گیا تو اس کے پاس کوئی خاص نیک عمل نہیں تھا البتہ وہ مالدار ہونے کی بناء پر لوگوں کو قرض وغیرہ دے دیا کرتا تھا اور اپنے کارندوں سے اس نے کہہ رکھا تھا کہ محتاج اور ضرورتمندوں کو معاف کردیا کرو۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے مخاطب ہوکر فرمایا: ”میں اس طرح (معاف) کرنے کا تم سے زیادہ حق دار ہوں“ (پھر فرشتوں سے فرمایا) ”اسے بھی معاف کردو“۔ (مسلم۔بخاری۔نسائی)

تشریح: دوسروں کے ساتھ چشم پوشی اور عفوودرگزر کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایسے شخص کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھی عفوودرگزر کا معاملہ فرمائیں گے۔ قرآن کریم میں آتا ہے۔ وليعفوا وليصفحوا ،الاتحبون ان يغفر الله لكم (انہیں چاہئے کہ عفوودرگزر سے کام لیں۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں معاف کردیں)۔

ایک حدیث شریف میں آتا ہے: ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء .

جس کا ترجمہ علامہ حالی نے یوں کیا ہے ۔

کرو مہربانی تم اہل زمیں پر
خدا مہرباں ہوگا عرش بریں پر

☆☆☆

حدیث نمبر ۱۳

عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ ،یَقُوْلُ:

”کُنْتُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ، فَجَاءَ ہٗ رَجُلَانِ :أَحَدُھُمَا یَشْکُو الْعَیْلَۃَ (۱) ، وَالْآخَرُ یَشْکُو قَطْعَ السَّبِیْلِ (۲) ،فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم : أَمَّا قَطْعُ السَّبِیْلِ فَاِنَّہٗ لَا یَأْتِیْ عَلَیْکَ اِلَّا قَلِیْلٌ ، حَتَّی تَخْرُجَ الْعِیْرُ اِلٰی مَکَّۃَ بِغَیْرِ خَفِیْرٍ . وَأَمَّا الْعَیْلَۃُ ، فَاِنَّ السَّاعَۃَ لَا تَقُوْمُ حَتَّی یَطُوْفَ أَحَدُکُمْ بِصَدَقَتِہٖ ، لَا یَجِدُمَنْ یَقْبَلُھَا مِنْہُ. ثُمَّ لَیَقِفَنَّ أَحَدُکُمْ بَیْنَ یَدَيِ اللّٰہِ ، لَیْسَ بَیْنَہٗ وَبَیْنَہٗ حِجَابٌ وَلَا تَرْجُمَانٌ یُتَرْجِمُ لَہٗ ، ثُمَّ لَیَقُوْلَنَّ لَہٗ :أَلَمْ أُوْتِکَ مَالاً ؟ فَلَیَقُوْلَنَّ :بَلٰی ،ثُمَّ لَیَقُوْلَنَّ :أَلَمْ أُرْسِلْ اِلَیْکَ رَسُوْلاً ؟ فَلَیَقُوْلَنَّ :بَلٰی .فَیَنْظُرُ عَنْ یَمِیْنِہٖ ،فَلَا یَرَی اِلَّاالنَّارَ ،ثُمَّ یَنْظُرُ عَنْ شِمَالِہٖ ، فَلَا یَرَی اِلَّاالنَّارَ . فَلْیَتَّقِیَنَّ أَحَدُکُم النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَۃٍ ، فَاِنْ لَمْ یَجِدْ فَبِکَلِمَۃٍ طَیِّبَۃٍ“.

(رواہ البخاری)

---

(۱) العیلۃ : الفقر والحاجۃ

(۲) قطع السبیل: التلصص فی الطریق وارعاب المارین والمسافرین

☆☆☆

ترجمہ: حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ:

”میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا کہ دو آدمی آپ کے پاس آئے ان میں سے ایک نے غربت کی شکایت کی اور دوسرے نے رہزنی کی کثرت کی شکایت کی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ رہزنی کے اب تھوڑے ہی دن ہیں۔ پھر ایسا پرامن ماحول قائم ہوگا کہ مکہ

مکرمہ کے لئے بغیر کسی قسم کے محافظوں کے قافلے روانہ ہوا کریں گے اور قیامت سے پہلے پہلے مال اس قدر عام ہو جائے گا کہ ایک شخص اپنے مال کی زکوٰۃ لے کر گلی کوچوں میں پھرتا رہے گا مگر اسے کوئی قبول کرنے والا نہیں ہوگا۔ پھر تم میں سے ہر شخص اللہ کے سامنے اس طرح ضرور کھڑا ہوگا کہ اس کے اور اللہ کے درمیان نہ کوئی پردہ ہوگا نہ ہی کوئی ترجمان۔ اللہ تعالیٰ اس سے کہیں گے: کیا میں نے تمہیں مال نہیں دیا تھا؟ تو وہ اعتراف کرتے ہوئے کہے گا: ''کیوں نہیں!'' پھر اللہ تعالیٰ اس سے کہیں گے۔ ''کیا میں نے تمہاری طرف رسول نہیں بھیجا تھا؟'' تو وہ اعتراف کرتے ہوئے کہے گا: ''کیوں نہیں''۔ پھر وہ دائیں جانب دیکھے گا تو سوائے آگ کے کچھ نظر نہیں آئے گا۔ پھر بائیں جانب دیکھے گا تو بھی آگ کے سوا کچھ نظر نہیں آئے گا۔ لہٰذا تم میں سے ہر شخص کو آگ سے ضرور اپنا بچاؤ کرنا چاہیئے اگرچہ کھجور کے ایک ٹکڑے ہی سے ہو اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو اچھی بات کہہ کر ہی اپنا بچاؤ کر لے۔ (بخاری)

تشریح: اس مبارک حدیث میں آپ ﷺ نے سچی پیشن گوئی فرماتے ہوئے ایک طرف اسلامی نظام کی برکات کے ظہور کو بیان فرمایا ہے تو دوسری طرف آخرت کی جوابدہی کے احساس کو اجاگر فرمایا ہے۔

پیشن گوئی کا تعلق مستقبل سے ہوتا ہے جس میں آئندہ ظہور پذیر ہونے والے واقعات کی خبر دی جاتی ہے اور یہ کام نبی کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں کر سکتا کیونکہ غیب کی بات کو بیان کرنا اور مستقبل کے بارے میں مطلع ہو جانا یہ انسان کے دائرہ علم سے باہر ہے۔ ایک عام انسان اندازے یا اٹکل پچو کے گھوڑے تو دوڑا سکتا ہے مگر یقینی بات اس وقت تک نہیں کر سکتا جب تک نصرت الٰہی وحی کی شکل میں اس کے شامل حال نہ ہو۔ اور یہ بات سوائے نبی کے کسی دوسرے کو حاصل نہیں ہو سکتی۔ پیشن گوئی دراصل نبوت کی حقانیت کی دلیل ہوا کرتی ہے۔ مستقبل میں اس کا وقوع پذیر ہو جانا نبی کے صدق اور سچائی کو ثابت کرتا ہے اس لئے ایسا نہیں ہو سکتا کہ کوئی نبی برحق پیشن گوئی کرے اور وہ من وعن ظہور پذیر نہ ہو۔ احادیث طیبہ میں نبی کریم علیہ الصلوۃ

والسلام سے جتنی پیشن گوئیاں وارد ہوئی ہیں وہ اسی طرح وقوع پذیر ہوئی ہیں جس طرح آپ کی زبان مبارک سے بیان ہوئیں۔

راوی حدیث حضرت عدی بن حاتم فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے جب یہ فرمایا کہ مکہ کے لئے قافلے بغیر محافظوں کے روانہ ہوا کریں گے تو میں نے دل میں سوچا کہ قبیلہ ''طی'' کے ڈاکوؤں سے وہ لوگ کیسے بچ کر نکلیں گے؟ مگر میں نے یہ پیشن گوئی اپنی آنکھوں سے پوری ہوتی ہوئی اس طرح دیکھی کہ کوفہ سے پردہ نشین خاتون اپنے زیورات پہن کر مکہ مکرمہ کے لئے روانہ ہوئی اور حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کر کے سلامتی کے ساتھ واپس چلی گئی اور اسے اللہ کے سوا کسی دوسرے کا ڈر اور خوف دامن گیر نہیں تھا۔ تاریخی روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں اس قدر امن وامان قائم ہو چکا تھا کہ قافلے دوران سفر لایخافون الااللہ والذئب علی الغنم (اپنے بارے میں اللہ کے علاوہ کسی کا خوف نہیں رکھتے تھے اور اپنی بھیڑ بکریوں کے بارے میں انہیں صرف بھیڑیئے کے سوا کسی ڈاکو وغیرہ کا خوف دامن گیر نہیں ہوتا تھا)۔

دوسری روایت میں حضرت عدی فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ تم کسریٰ کے خزانے فتح کرو گے تو میں نے تعجب سے پوچھا تھا کہ ''کسریٰ بن ہرمزان؟'' آپ نے فرمایا تھا: جی ہاں! کسریٰ بن ہرمزان۔ چنانچہ فتح فارس کے موقع پر کسریٰ بن ہرمزان کے خزانے مال غنیمت میں حاصل کرنے والوں میں، میں خود بھی شامل تھا۔

امام بیہقی فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے دور میں یہ بات بھی پوری ہوگئی کہ زکوٰۃ لینے والا کوئی نہ ملتا تھا۔ مال غنیمت بیت المال میں جمع ہوتا اور ہر مسلمان کو اس کا مقررہ حصہ مل جاتا۔ اس طرح مسلمانوں میں معاشی خوشحالی اور فارغ البالی اس قدر ہوگئی کہ ایک صاحب نے ایک روز دراہم ودنانیر کی تھیلی لاکر امیر المؤمنین کے سامنے ڈال دی اور کہا کہ آپ نے تو ہمیں

تھکا دیا۔ معلوم کرنے پر اس نے ماجرا بیان کیا کہ اپنے مال کی زکوٰۃ لے کر کئی روز سے شہر کے گلی کوچوں میں مستحقین کو تلاش کر رہا ہوں مگر زکوٰۃ کی رقم کا سن کر ہر شخص یہی کہہ دیتا ہے کہ کسی مستحق زکوٰۃ کو دے دو میں اس کا مستحق نہیں ہوں۔ اس لئے اب تھک ہار کر آپ کے پاس لایا ہوں کہ آپ اسے بیت المال میں جمع فرما کر صحیح مصرف لگا دیں۔

امن وسلامتی اور معاشی خوشحالی دونوں اسلامی نظام کا ثمرہ اور محمد عربی ﷺ کی غلامی کے مرہون منت ہیں۔ کاش ہمارے ارباب بست وکشا بھی اس حقیقت کا ادراک کر لیں اور قوم کو در بدر کی ٹھوکروں سے نجات دلا دیں تو یہ ان کا بہت بڑا احسان ہوگا اور ان کے لئے باعث مغفرت۔

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

معاشی استحکام اور جان و مال کے تحفظ کا احساس دو ایسے عوامل ہیں کہ ان کے حصول کے بعد احکام خداوندی کی بجا آوری میں کوتاہی اور اس سے پہلوتہی کے لئے کوئی ''عذر لنگ'' باقی نہیں رہ جاتا۔ اس کے باوجود بھی اگر کوئی شخص نافرمانی اور بدعملی میں مبتلا رہے تو اس کا مقدر ہلاکت وبربادی کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے؟ اس لئے آپ ﷺ نے اعمال صالحہ کا ذخیرہ جمع کرنے کی طرف متوجہ فرمایا کہ دنیا کی پریشانی کا حل تو ہوسکتا ہے مگر قیامت کے دن جب دربار خداوندی میں پیشی ہوگی اور عقائد واعمال کا حساب ہوگا اور دائیں بائیں جہنم کی دہکتی ہوئی آگ کے سوا کچھ نظر نہیں آئے گا۔ اس آگ سے بچنے کا انتظام دنیا ہی میں کیا جاسکتا ہے۔ آپ لوگ جو فقر وفاقہ اور بدامنی کی شکایت کر رہے ہیں اس حالت میں بھی اگر کھجور کی ایک قاش بھی اللہ کے راستہ میں دی ہوگی تو وہ آتش دوزخ کے لئے آڑ بن جائے گی اور اگر اتنی استطاعت بھی نہ ہو تو اچھی بات ہی کہہ دے کہ اچھی بات زبان پر لانا اور خوش خلقی اور ہنس مکھ چہرے سے گفتگو کرنا بھی صدقہ ہے اور اس سے بھی عذاب جہنم سے بچاؤ ہو جائے گا۔

حدیث۱۴

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ،عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ:

”اِنَّ لِلّٰهِ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی مَلاَ ئِکَةً ،سَیَّارَةً فُضُلاً (۱) ، یَبْتَغُوْنَ مَجَالِسَ الذِّکْرِ. فَاِذَا وَجَدُوْا مَجْلِسًا فِیْهِ ذِکْرٌ ،قَعَدُوْا مَعَهُمْ ،وَحَفَّ بَعْضُهُمْ بَعْضًا بِأَجْنِحَتِهِمْ حَتَّی یَمْلَؤُوْا مَابَیْنَهُمْ وَبَیْنَ السَّمَاءِ الدُّنْیَا ،فَاِذَا انْصَرَفُوْا عَرَجُوْا وَصَعِدُوْا اِلَی السَّمَاءِ قَالَ (۲) : فَیَسْأَلُهُمُ اللهُ عَزَّوَجَلَّ .وَهُوَ أَعْلَمُ بِهِمْ : مِنْ أَیْنَ جِئْتُمْ ؟ فَیَقُوْلُوْنَ :جِئْنَا مِنْ عِنْدِ عِبَادٍ لَکَ فِي الْأَرْضِ ، یُسَبِّحُوْنَکَ وَیُکَبِّرُوْنَکَ ، وَیُهَلِّلُوْنَکَ ، وَیَحْمِدُوْنَکَ ، وَیَسْأَلُوْنَکَ. قَالَ :وَمَا یَسْأَلُوْنِي ؟ قَالُوْا : یَسْأَلُوْنَکَ جَنَّتَکَ . قَالَ : وَهَلْ رَأَوْا جَنَّتِیْ ؟ قَالُوْا :لاَ أَي رَبِّ، قَالَ : فَکَیْفَ لَوْ رَأَوْا جَنَّتِیْ ؟قَالُوْا: وَیَسْتَجِیْرُوْنَکَ ، قَالَ : وَمِمَّ یَسْتَجِیْرُوْنِی ؟ قَالُوْا :مِنْ نَارِکَ یَا رَبِّ ، قَالَ :وَهَلْ رَأَوْانَارِي ؟ قَالُوْا :قَالُوْا :لاَ ،قَالَ : فَکَیْفَ لَوْ رَأَوْانَارِيْ؟ قَالُوْا: وَیَسْتَغْفِرُوْنَکَ ،قَالَ (۳) : فَیَقُوْلُ: قَدْغَفَرْتُ لَهُمْ ،وَأَعْطَیْتُهُمْ مَاسَأَلُوْا وَأَجَرْتُهُمْ مِمَّا اسْتَجَارُوْا .قَالَ (۳) : یَقُوْلُوْنَ : رَبِّ فِیْهِمْ فُلاَنٌ ، عَبْدٌ خَطَّاءٌ، اِنَّمَا مَرَّ فَجَلَسَ مَعَهُمْ .قَالَ(۳) : فَیَقُوْلُ :وَلَهُ غَفَرْتُ، هُمُ الْقَوْمُ ،لاَ یَشْقَی بِهِمْ جَلِیْسُهُمْ“ .

رواہ مسلم (وکذلك البخاري والترمذي والنسائي)

---

(۱) فضلاً:جمع فاضل وهوالزائد۔فهم ملائکة زادهم اللّٰهو خصصهم لحِلق الذکر۔

(۲) أي الرسول صلی اللّٰه علیه وسلم

(۲) أي الرسول صلی اللّٰه علیه وسلم

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ تبارک وتعالیٰ کے فاضل گشتی فرشتے ہیں جو مجالس ذکر کو تلاش کرتے رہتے ہیں اور جیسے ہی انہیں ذکر کی مجلس ملتی ہے تو وہ اس میں بیٹھ جاتے ہیں اور اپنے پروں سے ایک دوسرے کو ڈھانپتے ہوئے آسمان کی طرف چڑھ جاتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان سے پوچھتے ہیں حالانکہ وہ انہیں بہت اچھی طرح جانتے ہیں۔ ''تم لوگ کہاں سے آئے ہو؟'' وہ جواب دیتے ہیں کہ ''ہم زمین پر آپ کے بندوں کے پاس سے آرہے ہیں جو کہ آپ کی پاکی اور بڑائی، آپ کی توحید اور آپ کی حمد بیان کرتے ہوئے آپ سے مانگ رہے تھے!''۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ''وہ مجھ سے کیا مانگ رہے تھے؟'' فرشتے کہتے ہیں کہ ''آپ سے آپ کی جنت طلب کررہے تھے۔'' اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ ''کیا انہوں نے میری جنت دیکھی ہے؟'' فرشتے کہتے ہیں کہ ''اے اللہ! دیکھی تو نہیں'' تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں (تم تصور تو کرو) ''اگر انہوں نے جنت دیکھی ہوتی تو ان کی کیا کیفیت ہوتی؟''۔ فرشتے کہتے ہیں کہ ''وہ آپ کی پناہ مانگ رہے تھے۔'' اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ ''کس چیز سے پناہ مانگ رہے تھے؟'' تو وہ کہتے ہیں کہ ''اے اللہ! آپ کی آگ سے۔'' اللہ تعالیٰ فرماتے کہ کیا انہوں نے میری آگ دیکھی ہے؟ فرشتے کہتے ہیں کہ ''اے اللہ دیکھی تو نہیں!'' اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ (تم تصور کرو) ''اگر انہوں نے میری آگ دیکھی ہوتی تو ان کی کیا کیفیت ہوتی!''۔ وہ کہتے ہیں کہ ''وہ لوگ آپ سے استغفار کررہے تھے۔'' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''میں نے ان کی مغفرت کردی اور جو وہ مانگ رہے تھے میں نے ان کو عطا کردیا اور جس چیز سے پناہ مانگ رہے تھے میں نے ان کو پناہ عطا کردی۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا فرشتے عرض کرتے ہیں کہ ''اے اللہ! ان میں فلاں گناہ گار بندہ وہاں سے گزرتے ہوئے ان کے ساتھ بیٹھ گیا تھا۔'' حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ''میں نے اسے بھی معاف کردیا کیونکہ یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کے پاس بیٹھنے والا بھی محروم نہیں رہتا''۔ (مسلم، بخاری، ترمذی، نسائی)

تشریح: (۱) ''مجالس ذکر'' میں ہر وہ مجلس شامل ہے جس میں دینی یا مذہبی گفتگو ہو چنانچہ تلاوت قرآن کی محفل، احادیث طیبہ کے بیان کی محفل، مسائل دینیہ کے مذاکرہ کی مجلس، ذکر اللہ کی مجلس یا ذکر رسول کی مجلس۔ یہ سب ''مجالس ذکر'' میں ہی شمار ہوں گی۔

(۲) اس مبارک حدیث سے مجالس ذکر کی فضیلت ثابت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی ایسی مستقل جماعتیں پیدا کی ہوئی ہیں جنہیں دوسری تمام ذمہ داریوں سے فارغ کر دیا گیا ہے وہ صرف مجالس ذکر کی تلاش اور ان میں شمولیت پر مامور ہیں اور جہاں کہیں انہیں ایسی مبارک مجلسوں کا پتہ چلتا ہے تو وہ انتہائی رغبت اور شوق اور اس قدر کثرت سے ان مجالس میں شرکت کرتے ہیں کہ جگہ تنگ پڑ جاتی ہے اور ایک دوسرے کو اپنے پروں میں ڈھانپتے ہوئے آسمان تک ان کا تانتا بندھ جاتا ہے بلکہ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک دوسرے کو ایسی مجلس میں شرکت کی دعوت بھی دیتے ہیں اور مجلس ختم ہونے سے پہلے وہ مجلس سے اٹھ کر نہیں جاتے بلکہ جب لوگ اختتام مجلس پر منتشر ہوتے ہیں تو وہ بھی آسمان پر جا کر دربار الٰہی میں حاضر ہو جاتے ہیں۔

(۳) مجلس ذکر کے شرکاء کے لئے اللہ رب العزت کا خصوصی انعام یہ ہوتا ہے کہ انہیں جہنم سے حفاظت، جنت میں داخلہ اور گناہوں کی معافی کا پروانہ الٰہی نصیب ہو جاتا ہے۔

(۴) مجلس ذکر کے شرکاء کی مصروفیات اور کارکردگی کے بارے میں فرشتوں سے استفسار اور سوالات کے انداز سے اس رحمت وشفقت کی ایک جھلک دیکھی جا سکتی ہے جو اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں سے ہے۔

(۵) ایسی بابرکت مجالس کی اہمیت اس سے بھی ثابت ہوتی ہے کہ بغیر کسی قصد وارادہ کے بھی اگر کوئی گناہ گار بندہ ان کے ساتھ بیٹھ جاتا ہے تو اس کے بارے میں بھی مغفرت کا فیصلہ ہو جاتا ہے کہ یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کا ہم نشین بھی محروم نہیں رہتا۔

حدیث نمبر ۱۵

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ النَّبِيُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ :

”یَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالیٰ : أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي بِي ، وَأَنَا مَعَهُ اِذَا ذَكَرَنِي ،فَاِنْ ذَكَرَنِي فِي نَفْسِهِ، ذَكَرْتُهُ فِي نَفْسِي . وَاِنْ ذَكَرَنِي فِي مَلَأٍ ذَكَرْتُهُ فِي مَلَأٍ خَيْرٍ مِنْهُمْ ، وَاِنْ تَقَرَّبَ اِلَيَّ بِشِبْرٍ ، تَقَرَّبْتُ اِلَيْهِ ذِرَاعاً ، وَاِنْ تَقَرَّبَ اِلَيَّ ذِرَاعاً تَقَرَّبْتُ اِلَيْهِ بَاعاً(۱) ، وَاِنْ أَتَانِي يَمْشِي ، أَتَيْتُهُ هَرْوَلَةً“.

رواہ البخاري (وكذلك مسلم والترمذي وابن ماجة)۔

(۱) الباع: بقدر انبساط الذراعین فی جھتیھما۔

☆☆☆

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

”اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: میں اپنے بندہ کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرتا ہوں جیسا وہ میرے بارے میں یقین رکھتا ہےاور میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں جب وہ میرا ذکر کرتا ہے۔ پس اگر وہ اپنے طور پر اکیلے ہی میرا ذکر کرتا ہےتو میں بھی اپنے طور پر اکیلے ہی اسے یاد کرتا ہوں اور اگر وہ کسی مجمع میں میرا ذکر کرتا ہےتو میں اس سے بہتر مجمع میں اس کا تذکرہ کرتا ہوں اور اگر وہ بالشت بھر میرے قریب آتا ہےتو میں ایک ہاتھ اس کے قریب ہوجاتا ہوں اور اگر وہ ایک ہاتھ میرے قریب ہوتا ہےتو میں دو ہاتھ اس کے قریب ہوجاتا ہوں اور اگر وہ میری طرف چل کر آتا ہےتو میں دوڑ کر اس کی طرف آتا ہوں۔“ (بخاری،مسلم،ترمذی،ابن ماجہ)

تشریح: (۱) حدیث شریف میں لفظ ”ظن“ استعمال کیا گیا ہے جو گمان، شک اور یقین کے معنی میں آتا ہےمگر ہم نے یقین کے معنی اختیار کیے ہیں۔ کیونکہ محض گمان کی بنیاد پر مسائل حل نہیں ہوتے۔ ہم بہت سے معاملات میں اللہ تعالیٰ سے بڑی بڑی امیدیں قائم کرلیتے ہیں مگر وہ

پوری نہیں ہوتیں جس کی بناء پر حدیث شریف پر اشکال ہونے لگتا ہے کہ ہمارے گمان کے مطابق اللہ تعالیٰ نے معاملہ نہیں کیا!؟ صحیح مفہوم حدیث شریف کا یہ ہے کہ آپ کا جو خیال اللہ تعالیٰ کے بارے میں یقین کا درجہ اختیار کر چکا ہو، اس کے مطابق اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ معاملہ فرمائیں گے لہٰذا اگر اللہ تعالیٰ کے بارے میں ڈھیلا ڈھالا گمان ہو اور دلی یکسوئی حاصل نہ ہو بلکہ اس قسم کے خیالات آرہے ہوں کہ معلوم نہیں اللہ تعالیٰ ایسا کریں گے بھی یا نہیں! تو ایسی صورت میں کام بن جانے کی امید رکھنا عبث ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کے بارے میں کوئی امید قائم کی جائے تو یکسوئی کے ساتھ دوٹوک انداز میں یہ بات دل میں بٹھالی جائے کہ اللہ تعالیٰ ایسا کرنے پر قادر ہیں اور ان کے لئے کوئی کسی قسم کی رکاوٹ نہیں بن سکتا۔ تو یہ خیال یقین کے درجہ میں کہلائے گا اور وہ کام ہو کر رہے گا۔ یہی مطلب ہے اس حدیث شریف کا کہ میں اپنے بندے کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرتا ہوں جیسا وہ میرے بارے میں یقین رکھتا ہے۔

یعنی جو گمان یا امید اپنے بارے میں اللہ تعالیٰ سے قائم کی ہے اس میں کسی قسم کے تذبذب یا شک وشبہ میں مبتلا نہ ہو بلکہ یکسوئی کے ساتھ دوٹوک انداز میں یہ یقین ہو کہ اللہ تعالیٰ ہی یہ کام سرانجام دے سکتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا اس کام کو کرنے کا اختیار نہیں رکھتا۔ تمام مادی سہاروں سے امیدیں کاٹ کر مکمل طور پر مایوس اور ناامید ہو جائے اور اپنی ساری امیدوں کا مرکز ایک اللہ ہی کو بنالے تو اللہ تعالیٰ کبھی ایسے شخص کو مایوس نہیں کرتا اور اس کے گمان اور امید کے مطابق اس کا کام ضرور کرتا ہے۔

(۲) ذاکرین کے لئے یہ بہت بڑا اعزاز ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معیت انہیں نصیب ہو جاتی ہے اور دربار خداوندی میں ان کا تذکرہ ہوتا ہے اور جس طرح یہ اللہ کو یاد کرتے ہیں اللہ جل شانہ بھی اسی طرح انہیں یاد کرتے ہیں۔

ذکر سے اگرچہ متبادر تسبیحات و اوراد ہی ہوتے ہیں لیکن ذکر الٰہی کو اس میں محصور نہیں سمجھنا

چاہیئے بلکہ اللہ کی توحید بیان کرنا اور لوگوں کو اللہ کی طرف بلانے کے لئے وعظ ونصیحت اور تقریر کرنا بھی اللہ کے ذکر اور یاد الٰہی میں شامل ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ہاں تذکرہ کی سعادت کامل جانا بہت بڑا اعزاز ہے اور پھر فرشتوں کی مجلس میں تذکرہ تو سونے پر سہاگہ کے مصداق ہے۔

ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اس مجلس میں ہے

ایک بالشت یا ایک ہاتھ بطور مثال سمجھانے کے لئے فرمایا گیا ہے۔مقصود یہ بتانا ہے کہ بندہ کی معمولی توجہ بھی قرب الٰہی میں ترقی اور اضافہ کا ذریعہ بن جاتی ہے۔

رحمت خدا بہانہ جوید ، بہا نمی جو ید

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں
راہ دکھائیں کسے کوئی راہ رو منزل ہی نہیں

حدیث نمبر ۱۶

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا ،عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فِيمَا يَرْوِي عَنْ رَبِّهِ عَزَّوَجَلَّ ، قَالَ:

اِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ الْحَسَنَاتِ وَالسَّيِّئَاتِ ، ثُمَّ بَيَّنَ ذٰلِكَ :فَمَنْ هَمَّ بِحَسَنَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا ،كَتَبَهَا اللّٰهُ لَهٗ عِنْدَهٗ عَشْرَ حَسَنَاتٍ ، اِلىٰ سَبْعِمِائَةِ ضِعْفٍ ، اِلىٰ أَضْعَافٍ كَثِيْرَةٍ . وَمَنْ هَمَّ بِسَيِّئَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا ، كَتَبَهَا اللّٰهُ لَهٗ عِنْدَهٗ حَسَنَةً كَامِلَةً ، فَاِنْ هُوَ هَمَّ بِهَا فَعَمِلَهَا ، كَتَبَهَا اللّٰهُ سَيِّئَةً وَاحِدَةً''.

رواہ البخاری ومسلم۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

''تحقیق اللہ تعالیٰ نے نیکیاں اور برائیاں لکھ دی ہیں پھر انہیں بیان کردیا ہے پس جس شخص نے نیکی کا ارادہ کیا پھر اسے انجام نہ دے سکا تو اللہ تعالیٰ اسے مکمل نیکی لکھ لیتے ہیں لیکن اگر ارادہ کرکے اس پر عمل بھی کرلے تو اللہ تعالیٰ اسے دس نیکیوں سے لے کر سات سو بلکہ اس سے بھی زیادہ بڑھا چڑھا کر لکھ لیتے ہیں اور جس نے کسی گناہ کا ارادہ کیا اور اس پر عمل نہ کیا تو اللہ تعالیٰ اسے بھی نیکی شمار کرلیتے ہیں۔لیکن اگر ارادۂ گناہ کے ساتھ اس کا ارتکاب بھی کرلے تو اللہ تعالیٰ ایک ہی گناہ لکھتے ہیں۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: (۱) اس حدیث میں چونکہ لکھنے کو چونکہ براہ راست اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا گیا ہے اس لئے اسے احادیث قدسیہ میں شمار کیا گیا ہے۔

(۲) اس حدیث شریف میں امت محمدیہ پر احسانات الٰہیہ کے تسلسل کا بیان ہے کہ نیکیوں اور برائیوں کی فہرست بنا کر ان کی وضاحت کردی گئی ہے تا کہ نیک عمل کے اختیار کرنے اور اعمال بد سے اجتناب کرنے میں آسانی ہو۔اور اس میں مزید یہ رعایت ہے کہ نیکی کرنے کا

ارادہ کر کے کسی وجہ سے اگر اسے انجام نہ دے سکا تو بھی ایک نیک عمل کا ثواب اس کے نامہ اعمال میں لکھ دیا جاتا ہے۔اور نیکی سرانجام دے لی تو اس پر دس نیکیوں سے لے کر سات سو تک کا اجروثواب اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں۔گویا نیت کی خوبی اور عمل کا معیار اس کے اجروثواب پر اثر انداز ہوتا ہے۔اور کم از کم دس اور زیادہ سے زیادہ سات سو تک ثواب لکھا جاتا ہے۔جبکہ گناہوں کے بارے میں یہ رعایت ہے کہ ارادہ کر کے ترک کر دیا تو گناہ کا ارادہ ترک کرنے پر بھی ایک نیکی کا ثواب دیا جاتا ہے اور اگر گناہ سرزد ہو گیا تو ایک ہی گناہ لکھا جاتا ہے۔اور قرآن کریم میں اس کی صراحت موجود ہے کہ گناہ کے بعد ندامت وشرمندگی کے ساتھ اگر معافی مانگ لی جائے تو اللہ تعالیٰ اس گناہ کو معاف فرما کر اس کے بدلہ میں نیکی لکھ دیتے ہیں۔

اولئک یبدل اللہ سیآتھم حسنات (ایسے ہی لوگوں کے گناہوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں سے بدل دیتے ہیں)۔

☆☆☆

حدیث نمبر ۱۷

عَنِ ابِي ذَرٍ الغِفَارِي رَضِيَ اللّٰهُ عَنهُ ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فِيمَا يَرْوِي عَنْ رَبِّهِ عَزَّوَجَلَّ ، أَنَّهُ قَالَ:

يَاعِبَادِي :اِنِّي حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَلىٰ نَفْسِي وَجَعَلْتُهُ بَيْنَكُمْ مُحَرَّماً فَلاَ تَظَالَمُوا. يَاعِبَادِي: كُلُّكُمْ ضَالٌّ اِلَّا مَنْ هَدَيْتُهُ فَاسْتَهْدُوْنِي أَهْدِكُمْ . يَاعِبَادِي : كُلُّكُمْ جَائِعٌ اِلَّا مَنْ أَطْعَمْتُهُ فَاسْتَطْعِمُوْنِي أُطْعِمْكُمْ . يَاعِبَادِي : كُلُّكُمْ عَارٍ اِلَّا مَنْ كَسَوْتُهُ فَاسْتَكْسُوْنِي أَكْسُكُمْ. يَاعِبَادِي : اِنَّكُمْ تُخْطِئُوْنَ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ ، وَأَنَا أَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعاً ، فَاسْتَغْفِرُوْنِي أَغْفِرْلَكُمْ . يَاعِبَادِي : اِنَّكُمْ لَنْ تَبْلُغُوْا ضرِّي فَتَضُرُّوْنِي ، وَلَنْ تَبْلُغُوْا نَفْعِي فَتَنْفَعُوْنِي ، يَاعِبَادِي : لَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ وَاِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ كَانُوْا عَلىٰ أَتْقَى قَلْبِ رَجُلٍ وَاحِدٍ مِنْكُمْ ، مَازَادَ ذٰلِكَ فِي مُلْكِي شَيْئًا. يَاعِبَادِي : لَوْأَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ وَاِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ كَانُوْا عَلىٰ أَفْجَرِ قَلْبِ رَجُلٍ وَاحِدٍ مِنْكُمْ مَانَقَصَ ذٰلِكَ مِنْ مُلْكِي شَيْئًا . يَاعِبَادِي: لَوْأَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ وَاِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ قَامُوْا فِي صَعِيْدٍ وَاحِدٍ ، فَسَأَلُوْنِي ، فَأَعْطَيْتُ كُلَّ وَاحِدٍ مَسْأَلَتَهُ ، مَانَقَصَ ذٰلِكَ مِمَّا عِنْدِي اِلَّا كَمَا يُنْقَصُ الْمِخْيَطُ اِذَا أُدْخِلَ الْبَحْرَ. يَاعِبَادِي: اِنَّمَا هِيَ أَعْمَالُكُمْ أُحْصِيْهَا لَكُمْ ،ثُمَّ أُوَفِّيكُمْ اِيَّاهَا ، فَمَنْ وَجَدَ خَيْراً فَلْيَحْمَدِ اللّٰهَ وَمَنْ وَجَدَ غَيْرَ ذٰلِكَ فَلاَ يَلُوْ مَنَّ اِلَّا نَفْسَهُ“ .

رواه مسلم (وكذلك الترمذى وابن ماجة)۔

ترجمہ: حضرت ابوذرغفاری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

اللہ تعالی سے روایت کرتے ہوئے فرمایا:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اے میرے بندو! میں نے ظلم کو اپنے اوپر حرام قرار دے دیا ہے اور اسے تمہارے درمیان بھی حرام قرار دیا ہے۔لہٰذا تم آپس میں ظلم نہ کیا کرو۔اے میرے بندو! تم سب کے سب گمراہ ہو مگر جسے میں ہدایت دوں۔لہٰذا تم مجھ سے ہدایت طلب کرو میں تمہیں ہدایت دوں گا۔اے میرے بندو! تم سب کے سب بھوکے ہو مگر جسے میں کھانا کھلاؤں، لہٰذا تم مجھ سے کھانا طلب کرو میں تمہیں کھانا کھلاؤں گا۔اے میرے بندو! تم سب کے سب ننگے ہو مگر جسے میں کپڑے پہناؤں، لہٰذا تم مجھ سے کپڑے طلب کرو تو میں تمہیں کپڑے پہناؤں گا۔اے میرے بندو! تم رات دن گناہ کرتے رہتے ہو اور میں سب گناہ معاف کر دیتا ہوں۔لہٰذا تم مجھ سے اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کرو تو میں تمہاری مغفرت کروں گا۔اے میرے بندو! تم ہرگز میرے نقصان تک رسائی نہیں رکھتے ہو کہ مجھے کسی قسم کا نقصان پہنچا سکو اور نہ ہی تم میرے نفع تک رسائی رکھتے ہو کہ مجھے کسی قسم کا نفع پہنچا سکو۔

اے میرے بندو! اگر تمہارے اگلے اور پچھلے، انسان اور جنات کسی انتہائی متقی دل والے شخص کی طرح ہو جائیں تو اس سے میری حکومت میں کوئی اضافہ نہیں ہوگا۔اور اگر تمہارے اگلے اور پچھلے، جنات وانسان کسی انتہائی نافرمان دل والے شخص کی طرح ہو جائیں تو اس سے میری حکومت میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔

اے میرے بندو! اگر تمہارے اگلے اور پچھلے، جنات وانسان ایک میدان میں جمع ہو کر مجھ سے مانگنے لگیں اور میں ہر ایک کو اس کی مانگی ہوئی چیز عطا کرتا چلا جاؤں تو میرے پاس جو کچھ ہے اس میں اتنی کمی بھی نہیں آئے گی جتنی سمندر میں سوئی ڈبونے سے آتی ہے۔

اے میرے بندو! یہ تمہارے اعمال ہی ہیں جنہیں میں محفوظ کر کے رکھتا ہوں پھر تمہیں ان کا پورا پورا بدلہ دیتا ہوں لہٰذا جسے کوئی خیر ملے تو وہ اللہ کی حمد بیان کرے اور جسے اس کے علاوہ کچھ اور پہنچے تو وہ اپنے علاوہ کسی دوسرے کو قصوروار نہ ٹھہرائے۔ (مسلم، ترمذی ابن ماجہ)

تشریح: ایک منفرد اور جامع حدیث ہے جسے یاعبادی (اے میرے بندو) کے انداز تخاطب

نے محبت اور اپنائیت کا دل آویز مرقع بنادیا ہے۔

(۱) ظلم ایک بدترین عمل ہے جسے کوئی بھی شخص اپنے لئے پسند نہیں کرتا۔مگر یہ بھی ایک عجیب بات ہے کہ دوسروں پر ظلم کے پہاڑ توڑنے کے لئے بھی ہر شخص ہمہ وقت تیار رہتا ہے اور اسے عین انصاف قرار دینے کے لئے اپنی تمام صلاحیتیں صرف کردیتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ ظلم کی شناعت اور برائی کو ظاہر کرنے کے لئے اللہ رب العزت نے عبدیت کے پیار بھرے خطاب سے انسان کوخطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ میں خلاق علی الاطلاق ہوں ۔میں جو چاہوں کرسکتا ہوں ۔مجھ سے کوئی باز پرس نہیں کرسکتا۔مگر میں نے اس کے باوجود ظلم کو اپنے اوپر حرام قرار دیا ہے اور تم انسان ہو۔اس سرزمین پر میرے خلیفہ ہو لہٰذا تم پر بھی ظلم حرام کردیا گیا ہے۔اس لئے باہمی طور پر ارتکاب ظلم سے باز رہو۔ایک دوسری حدیث میں کہ ظلم گھٹاٹوپ اندھیروں کی شکل میں قیامت کے دن ظاہر ہوگا۔لہٰذا ظلم سے اپنے آپ کو بچانا ہی انسانیت کی معراج ہے۔

(۲) ہدایت نام اس روشنی کا جس سے خیر وشر،نیکی اور بدی،ثواب وعذاب میں تمیز پیدا ہوتی ہے اور یہ ایسی نعمت ہے جسے اللہ رب العزت نے اپنے قبضہ قدرت میں رکھا ہے۔قرآن کریم میں فرمان الٰہی ہے : **من یھدااللہ فھو المھتد و من یضللہ فلن تجد لہ و لیامر شدا** (جسے اللہ ہدایت دے وہی ہدایت یافتہ کہلائے گا اور جسے وہ گمراہ قرار دیدے تو اس کا کوئی حمایتی ہدایت دینے والا تمھیں نہیں مل سکے گا)۔اس لئے ہدایت جیسی نعمت عظمٰی کے حصول کے لئے اللہ تعالیٰ نے بندوں کو اپنی طرف متوجہ کیا ہے کہ مجھ سے رجوع کروگے تو ہدایت ملے گی ورنہ ضلالت وگمراہی کی گہرائیوں میں بھٹکتے رہوگے۔مجھ سے ہدایت طلب کرو تو میں تمہیں ہدایت سے سرفراز کردوں گا۔

(۳) اس مبارک حدیث میں ہر چیز اللہ رب العزت سے مانگنے کی تعلیم دی جارہی ہے۔روٹی،کپڑا بھی اللہ ہی دیتے ہیں اور گناہوں کی معافی بھی اللہ ہی دیتے ہیں گویا دنیا وآخرت کی ہر حاجت وضرورت اس دربار کے علاوہ کہیں اور سے پوری ہو ہی نہیں سکتی تو دربدر کی ٹھوکریں کھانے

کا کیا فائدہ؟ جب دربار خداوندی ہی سے ملنا ہے تو مانگنا بھی یہیں سے چاہیئے ۔اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی ہر طلب پوری کرتے ہیں تو اس کے پیچھے اللہ تعالیٰ کا کوئی مفاد مضمر نہیں ہے کہ بندے اللہ تعالیٰ کو کسی قسم کا نفع یا نقصان پہنچا سکتے ہوں جس کی وجہ سے ان کا ہر مطالبہ پورا کیا جا رہا ہو نہیں! بلکہ اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ میرے سوا میرے بندے کی حاجت وضرورت کوئی دوسرا پوری کر ہی نہیں سکتا اس لئے بندہ مانگے یا نہ مانگے اس کی ہر ضرورت اللہ ہی پوری کرتے ہیں۔البتہ مانگنے سے قرب الٰہی اور مراتب آخرت میں درجات کی بلندی اسے نصیب ہو جاتی ہے۔

(۴) بندوں کی عبادت یا نافرمانی اللہ تعالیٰ کی حکمرانی میں کسی قسم کی کمی یا اضافہ کا باعث نہیں بنتی اور ابتدائے آفرینش سے لے کر آج تک بلکہ قیامت تک آنے والے ہر جن وانس کی ضروریات اور مطالبے پورے کرنے سے خزانہ الٰہی میں اتنی کمی بھی واقع نہیں ہوتی جتنی کہ سوئی ڈبونے سے سمندر کے پانی میں کمی ہوتی ہے۔یعنی خزانہ الٰہی لامحدود وسعتوں کا حامل ہے۔

(۵) انسان پر آنے والے حالات اس کے اعمال کے ساتھ مربوط ہیں جیسے اعمال آسمانوں پر جاتے ہیں ویسے ہی حالات اوپر سے اترتے ہیں ۔لہٰذا اگر اچھے حالات سے سابقہ پڑتا ہے تو اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیئے کہ یا تو اس نے محض اپنے فضل وکرم سے حالات بہتر بنا دیئے ہیں یا پھر اس کی دی ہوئی توفیق سے جو اچھے اعمال کئے ان کی برکت سے حالات بھی اچھے ہو گئے۔

اور بگڑے ہوئے حالات سے سابقہ پڑتا ہے تو اس پر قدرت کو مورد الزام ٹھہرانے یا جزع فزع کرنے سے کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوگی بلکہ اپنے اعمال پر نظر ثانی کی ضرورت ہے۔اچھے حالات کے لئے اچھے اعمال کرنے پڑیں گے اور اعمال بد کی روش ترک کرنی پڑے گی۔

جب میں کہتا ہوں یا اللہ میرا حال دیکھ
ندا آتی ہے ' بندے! تو اپنا نامہ اعمال دیکھ

حدیث نمبر ۱۸

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ :
"اِنَّ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ ، یَقُوْلُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ :یَا ابْنَ آدَمَ ، مَرِضْتُ فَلَمْ تَعُدْنِي(۱)،
قَالَ : یَارَبِّ ، وَکَیْفَ أَعُوْدُکَ وَأَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ؟ قَالَ: أَمَا عَلِمْتَ
أَنَّ عَبْدِي فُلاَنًا مَرِضَ فَلَمْ تَعُدْهُ ؟ أَمَا عَلِمْتَ أَنَّکَ لَوْعُدْتَهُ لَوَجَدْتَنِي
عِنْدَهُ . یَا ابْنَ آدَمَ: اسْتَطْعَمْتُکَ فَلَمْ تُطْعِمْنِي ، قَالَ :یَا رَبِّ ، وَکَیْفَ
أُطْعِمُکَ وَأَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ ؟ قَالَ: أَمَا عَلِمْتَ أَنَّهُ اسْتَطْعَمَکَ
عَبْدِي فُلاَنٌ ، فَلَمْ تُطْعِمْهُ؟ أَمَا عَلِمْتَ أَنَّکَ لَوْأَطْعَمْتَهُ لَوَجَدْتَ ذٰلِکَ
عِنْدِي .یَاابْنَ آدَمَ: اسْتَسْقَیْتُکَ ، فَلَمْ تَسْقِنِي ، قَالَ :یَارَبِّ ، کَیْفَ
أَسْقِیْکَ وَأَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ ؟ قَالَ :اسْتَسْقَاکَ عَبْدِي فُلاَنٌ فَلَمْ
تَسْقِهِ ، أَمَا اِنَّکَ لَوْ سَقَیْتَهُ لَوَجَدْتَ ذٰلِکَ عِنْدِي".

رواه مسلم۔

(۱) عیادۃ المریض وزیارته۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
"اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائیں گے:اے آدم کی اولاد!میں بیمار تھا،تو نے میری عیادت نہیں کی۔تو بندہ کہے گا کہ اے رب! میں آپ کی عیادت کیسے کرتا؟ آپ تو رب العالمین ہیں۔اللہ تعالیٰ فرمائیں گے:تمہیں معلوم نہیں ہوا تھا؟ کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہے مگر تم نے اس کی عیادت نہیں کی۔اگر تم عیادت کو جاتے تو مجھے اس کے پاس پاتے۔اے آدم کی اولاد! میں نے تم سے کھانا طلب کیا تھا مگر تم نے مجھے کھانا نہیں دیا۔تو بندہ کہے گا:اے رب! آپ کو کھانا کیسے کھلاتا؟ آپ تو رب العالمین ہیں۔اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: کیا تم یہ بات نہیں

جانتے تھے؟ کہ میرے فلاں بندے نے تم سے کھانا طلب کیا ہے۔ اگر تم اسے کھانا کھلا دیتے تو (آج) اسے تم میرے پاس پاتے۔

اے آدم کی اولاد! میں نے تم سے پانی طلب کیا تھا مگر تم نے مجھے پانی نہیں پلایا۔ تو بندہ کہے گا: اے رب! آپ کو پانی کیسے پلاتا؟ آپ تو رب العالمین ہیں! اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: میرے فلاں بندے نے تم سے پانی طلب کیا تھا اگر تم اسے پلا دیتے تو (آج) اسے میرے پاس پاتے۔ (مسلم)

تشریح: اس حدیث مبارک میں کس خوبصورت پیرائے میں آقا اور بندے کی گفتگو نقل کی گئی ہے اور کیسے دلنشین انداز میں خلق خدا کی خدمت کی تعلیم دی گئی ہے۔ کسی انسان کے کام آنے یا اس کی خدمت کرنے کو اللہ تعالیٰ اپنی خدمت قرار دے رہے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ بیمار کی عیادت کرنا، بھوکے کو کھانا کھلانا، پیاسے کو پانی پلانا کوئی معمولی اعمال نہیں ہیں کہ انہیں ہلکا سمجھ کر چھوڑ دیا جائے۔ اللہ کے پاس ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ان اعمال پر اللہ کے پاس اس شخص کا اجر وثواب محفوظ ہو جاتا ہے۔

حدیث نمبر۱۹

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ :
"قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ : اَلْكِبْرِيَاءُ رِدَائِي ، وَالْعَظَمَةُ اِزَارِي ،فَمَنْ نَازَعَنِي وَاحِدًا مِنْهُمَا ، قَذَفْتُهُ فِي النَّارِ".

رواه أبوداؤد (وكذلك ابن ماجة واحمد)بأسانيد صحيحة (١)

---

(١) والحديث عند مسلم أيضا بنحوه۔وانظر ابن علان : (دليل الفالحين) ج٥ص ٩٤۔والألباني :(الأحاديث الصحيحة)حديث ٥٣١۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بڑائی میری چادر اور عظمت میرا زیر جامہ ہے۔پس جس نے ان دونوں میں سے کسی ایک کو بھی مجھ سے چھیننے کی کوشش کی تو میں اسے آگ میں ڈال دوں گا۔(ابوداؤد،ابن ماجہ،احمد)

تشریح: اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ تکبر اور بڑائی ،عظمت اور کبریائی اللہ کے سوا کسی دوسرے کے لائق نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے لئے رداء (اوڑھنے کی چادر) اور ازار (زیر جامہ) کی حیثیت رکھتی ہے۔لہٰذا تکبر یا عظمت کا اظہار کرنے والا درحقیقت اللہ تعالیٰ سے اس کا لباس چھیننے کی کوشش کا مرتکب ہوتا ہے جس کی سزا جہنم ہی ہوسکتی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایسے شخص کو میں آگ میں ڈال دوں گا۔حدیث شریف میں آتا ہے جس شخص میں رائی کے دانہ کے برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں سونگھ سکے گا۔

حدیث نمبر۲۰

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :

"تُفْتَحُ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ یَوْمَ الْاِثْنَیْنِ ، وَیَوْمَ الْخَمِیْسِ ، فَیُغْفَرُ لِکُلِّ عَبْدٍ لَا یُشْرِکُ بِاللهِ شَیْئًا ، اِلَّا رَجُلاً کَانَتْ بَیْنَهُ وَبَیْنَ أَخِیْهِ شَحْنَاءُ ، فَیُقَالُ: (۱) أَنْظِرُوْا (۲) هٰذَیْنِ ، حَتّٰی یَصْطَلِحَا، أَنْظِرُوْا هٰذَیْنِ ، حَتّٰی یَصْطَلِحَا ، أَنْظِرُوْا هٰذَیْنِ ، حَتّٰی یَصْطَلِحَا".

رواہ مسلم (وکذلك مالك وأبوداؤد)

---

(۱)أی من قبل اللّٰہ تعالیٰ۔(۲) أنظروا: أجلوا وأخرو۔

☆☆☆

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"پیر اور جمعرات کے دن جنت کے دروازے کھولے جاتے ہیں۔ پس ہر اس بندے کو جو اللہ کے ساتھ شرک نہ کرتا ہو، معاف کر دیا جاتا ہے مگر ایسا شخص کہ اس کے اور اس کے بھائی کے درمیان ناراضگی ہو۔ کہا جاتا ہے کہ "انہیں مہلت دو یہاں تک صلح کر لیں، انہیں مہلت دو یہاں تک صلح کر لیں، انہیں مہلت دو یہاں تک صلح کر لیں"۔ (مسلم، مالک، ابوداؤد)

تشریح: (۱) اس حدیث کے آخر میں صیغہ مجہول "فیقال" استعمال ہوا ہے جس میں عظمت کے پیش نظر فاعل (اللہ) کو ذکر کرنے کے بجائے اسے مبنی للمفعول بنا کر ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ یہ جملہ اللہ تعالیٰ ہی کا فرمان ہے۔ اس لئے اس حدیث کو "حدیث قدسی" قرار دیا گیا ہے۔

(۲) ہر پیر اور جمعرات کو جنتی افراد کی فہرستیں تیار ہوتی ہیں اور سابقہ فہرستوں پر نظر ثانی کی جاتی ہے۔ چنانچہ نئے خوش نصیب افراد کو اہل جنت میں شامل کیا جاتا ہے اور کئی ایسے بدنصیب

ہوتے ہیں کہ وہ اپنی بدعملی کے پیش نظر اس ''جنتی فہرست'' میں شامل ہونے سے رہ جاتے ہیں۔منجملہ ان کے ایسے اشخاص بھی ہیں جو باہمی طور پر ناراض ہوں اوران کے دل ایک دوسرے کے بارے میں صاف نہ ہوں ۔یہ لوگ اگرچہ اپنی نیکی اوردینداری کی بناء پر جنتی ہونے کا استحقاق رکھتے ہوں گے مگر ''آپس کی ناراضگی اور قطع تعلقی'' ان کے لئے رکاوٹ بن جائے گی جس کی بناء پران کا معاملہ مؤخر (Pending) کردیا جائے گا اوراللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ جب تک یہ لوگ آپس میں صلح نہ کرلیں اس وقت تک ان کا داخلہ جنت کا فیصلہ مؤخر کردیا جائے۔اس سے آپس کی مخالفت،ناراضگی اوردشمنی رکھنے کی نحوست کا اندازہ ہوجاتا ہے کہ یہ اس قدر منحوس اورخطرناک عمل ہے کہ اس کا ثمرہ داخلہ جنت سے محرومی ہے اورشرک کے بعد جنت میں داخلہ کے لئے سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔اس سے بڑی محرومی اورکیا ہوسکتی ہے؟ اس لئے جن لوگوں میں کسی دنیوی مسئلہ پر باہمی رنجش اورناراضگی ہے انہیں جلداز جلد اسے ختم کرکے آپس میں صلح صفائی کرلینی چاہیے تاکہ جنت میں داخلہ کی نعمت عظمٰی سے محرومی نہ رہے۔

بھائی سے مراد ہر مسلمان ہے اس کا نسبی بھائی ہونا لازم نہیں ہے۔قرآن کریم میں ہے:انما المؤمنون اخوۃ (ایمان والے آپس میں بھائی بھائی ہیں)۔

... The End of Part 01 ...

پیشکش: ابوزبیر

[www_alkalam_pk@yahoo.com]